المرشد

ماهنامه

مارچ
2008ء

اللہ
رسول
محمد

قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

نومنتخب حکومت عوامی مسائل ترجیحی بنیادوں پر حل کرے

علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج اقبال کے شاہینوں کا مسکن

راولپنڈی بورڈ اور پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن سے الحاق شدہ مسلسل دس سال راولپنڈی بورڈ سے پوزیشن لینے والا واحد ادارہ

صقارہ سائنس کالج

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

- پری کیڈٹ (ساتویں)
- آٹھویں تا دسویں
- پری انجینئرنگ
- ایف ایس سی
- پری میڈیکل

داخلہ ٹیسٹ

7 اپریل صبح 9:00 بجے

داخلہ (پری کیڈٹ) جماعت ہفتم، ہشتم، نہم

نوٹ:- داخلہ اُردو، انگلش اور میتھ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے سلیبس سے ہوگا نیز طالب علم جس کلاس میں داخلہ کا خواہش مند ہوگا اُس سے سابقہ کلاس کے سلیبس سے ٹیسٹ ہوگا۔ مثلاً جماعت ہفتم میں داخلہ کے خواہش مند سے جماعت ششم کے سلیبس سے داخلہ ٹیسٹ ہوگا۔

پراسپیکٹس

کالج آفس سے دستیاب ہے بذریعہ ڈاک 200 روپے کا پوسٹل آرڈر یا بنک ڈرافٹ بنام پرنسپل صقارہ سائنس کالج بھیج کر منگوایا جاسکتا ہے۔

پرنسپل لیفٹیننٹ کرنل (ر) تنویر الرحمٰن مزید معلومات کیلئے براہ راست رابطہ کریں۔

صقارہ سائنس کالج دارالعرفان منارہ ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال فون نمبر 0543-562222 562200

اداریہ

عام آدمی فوری توجہ کا متقاضی ہے

خدا خدا کر کے وطن عزیز میں عام انتخابات کا مرحلہ تمام ہوا' عوام الناس نے کچھ لوگوں پر اعتماد کر کے پارلیمنٹ میں پہنچایا اور آنے والے پانچ سال کے لئے امور مملکت کو چلانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی۔ کہا جا سکتا ہے کہ حالیہ انتخابات بڑی حد تک شفاف ہوئے ہیں کیونکہ اگر دھاندلی کی جاتی تو یقیناً حکومتی پارٹی نے اکثریت حاصل کرنا تھی۔

ملک کی تمام سیاسی جماعتوں پر بالخصوص اور ہر ممبر اسمبلی پر بالعموم یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ذاتی اور گروہی مفادات سے بالاتر ہو کر ملک کی بہتری اور قوم کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی بہتری صلاحیتیں بروئے کار لائیں بڑی سیاسی جماعتوں کو ماضی بھلا کر مستقبل سامنے رکھنا چاہئے کیونکہ اب ان کے پاس غلطی کی گنجائش نہیں ہے۔ حالیہ عام انتخابات سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پے در پے حادثات و سانحات اور مسلسل تلخ تجربات نے عوام کا سیاسی شعور کافی پختہ کر دیا ہے اور وہ اچھا بُرا پہچاننے کے قابل ہو گئے ہیں۔ وطن عزیز کا یہ المیہ رہا ہے کہ اس سے قبل بڑی سیاسی جماعتوں کو جب بھی اقتدار ملا انہوں نے محاذ آرائی کا راستہ اختیار کیا اور سیاسی مخالفین کو انتقام کا نشانہ بنایا۔ توقع رکھنی چاہئے کہ اب کی بار سیاسی جماعتیں ماضی کے تجربات سے سبق سیکھیں گی اور مثبت سیاسی رویوں کو فروغ دیا جائے گا۔ وطن عزیز کو اس وقت اندرونی اور بیرونی دونوں اطراف سے کڑے چیلنجوں کا سامنا ہے اور ہر مسئلہ اپنی جگہ انتہائی حساس اور فوری توجہ کا متقاضی ہے لیکن سب سے زیادہ قابل رحم حالت میں وطن عزیز کا عام شہری ہے۔ خلق خدا اس وقت جن حالات میں زندہ ہے وہ بلاشبہ اسی قوم کا حوصلہ ہے ورنہ حالت ناقابل بیان حد تک پہنچ چکی ہے۔ عام آدمی اس عالم میں زندہ ہے کہ لوڈ شیڈنگ کے باعث گھر میں اندھیرا ہے' آٹا کے بحران نے چولہا ٹھنڈا کر دیا ہے اور خودکش حملہ آور دروازے تک پہنچ چکا ہے، امن و امان قصہ پارینہ بن چکا اور انصاف نام کی چیز کہیں نظر آتی۔ ان حالات میں منتخب عوامی نمائندوں کی اولین ذمہ داری اور پہلی ترجیح یہی ہونی چاہئے کہ بلا تاخیر ٹھوس عملی اقدامات کے ذریعے عام آدمی کی زندگی میں بہتری لائیں۔ قوم کو منتخب عوامی نمائندوں سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں' سیاسی قائدین کو یقیناً اس کا احساس بھی ہو گا لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ بلا تاخیر بہتری کے عمل کی ابتدا ہونی چاہئے کیونکہ عام آدمی کی حالت زار اس مقام تک پہنچ چکی ہے کہ لمحہ بھر کی تاخیر کسی بڑے طوفان کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان، سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر

نشانِ منزل

کونسی ایسی بات ہوئی ہے

سوچ سمندر

متاعِ فقیر

آس جزیرہ

دیدہ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔

''میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں، اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے بہت سکھایا کم، سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔

اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرّم کا فیضِ نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ کرے میں جو چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ میں آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کرلیا کہ بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔''

عشق بے خود

دیکھنے تجھ کو گئے درباں سے پالا پڑ گیا
دید کا ارماں جواں ہونے سے پہلے مر گیا

دید کی حسرت کا مرنا کتنا حسرتناک تھا
لفظ حسرت کو یہ منظر پانی پانی کر گیا

پھوڑ دینے کو تھا سر چوکھٹ پہ تیری ایک دن
عشقِ بیخود تیری بدنامی سے آخر ڈر گیا

کہہ رہا تھا تیرا افسانہ نزع کے وقت بھی
جاتے جاتے موت سے بھی تیری باتیں کر گیا

تو اسے بھولا ہے لیکن دیکھ اس کو بھی ذرا
زندگی کے سارے نغمے نام تیرے کر گیا

نیم وا آنکھیں کفن میں اس کی دیتی تھیں پیام
اب تو آ تجھ کو بلانے کے لئے میں مر گیا

کیا عجب بندہ تھا وہ سیماب جس کا نام تھا
بے وفا کے نام پر کتنی وفائیں کر گیا

اقوالِ شیخ

☆.....اسلام خالق اور مخلوق کے درمیان ایک تعلق اور رشتے کا نام ہے۔ یہ رشتہ اور تعلق نظر نہیں آتا لیکن چھپتا بھی نہیں ہے۔

☆.....اسلام یہ ہے کہ ہر شے سے مقدم اطاعت الٰہی کو رکھا جائے۔

☆.....ہم اپنی ذات میں دیکھیں تو ہمارا دین کے ساتھ تعلق چھوٹے چھوٹے مفادات کا ہے جبکہ اسلام اس بات کا نام ہے کہ میرے ساتھ جو ہونا ہے اس کی فکر کے لئے میرا رب کافی ہے۔

☆.....انقلابات جب آتے ہیں تو اس کے آثار اور اثرات ہر انسان کو اپنے اندر نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

☆..... اللہ کے بندے اللہ کی حاکمیت قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی بنیاد اپنی ذات' اپنے وجود اور اپنے نفس سے ہوتی ہے۔ اپنی انا' اپنا نفس' اپنا وجود' اپنی ذات اپنی حاکمیت چاہتی ہے' ہر معاملے میں اپنی رائے منوانا چاہتی ہے اور اللہ کا بندہ اس کے مقابلے میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کو لاتا ہے۔

☆..... محبت میں بعض بڑے نازک مقام آتے ہیں محبت ایک ایسی عجیب کیفیت ہے کہ اس میں درگزر ہوتی رہے تو بڑے سے بڑے گناہ سے درگزر ہوتی ہے اور اگر گرفت آ جائے' ناراضگی بن جائے تو کسی ایسی چھوٹی سی بات پر بن جاتی ہے جس کی بظاہر کچھ حیثیت نہیں ہوتی۔

☆.....آخرت پر یقین کامل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی جو کام بھی کرتا ہے وہ آخرت کے حوالے سے کرتا ہے۔

☆.....آج ہمارے پاس آخرت پر یقین کی کمی ہے ہم جو قدم اٹھاتے ہیں اس میں اغراض دنیوی ہوتی ہیں' خواہشات نفسانی ہوتی ہیں' حصول اقتدار ہوتا ہے' حصول زر کی خواہش ہوتی ہے' شہرت کی خواہش ہوتی ہے اور آج کے دور میں اپنی ذات اور اپنی انا کی اتنی اہمیت بن گئی ہے کہ حکمران سے لے کر خاکروب تک جس کی بات سنی جائے وہ اپنی بڑائی کا دعوے دار ہے۔

علم کا مفہوم اور مقصد

سوال یہ ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کو دینی مدارس نے کتنے ڈاکٹر' کتنے سائنسدان' کتنے تاجر' کتنے جرنیل' کتنے کاروباری لوگ' کتنے ادیب' کتنے دانشور اور کتنے امانتدار حکمران دیئے!..........

اور کیوں نہ دے سکے؟ اس لئے کہ آدھے علم پر اکتفا کر کے بیٹھ گئے!

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ' ضلع چکوال 07-08-2007

الحمدللہ رب العٰلمینo

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وَّالہٖ

واصحابہٖ اجمعینo

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیمo

بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیُمo

اللھم صلی علیٰ محمد و الہ واصحابہٖ اجمعین . قال النبی ﷺ العلمُ علمان علم الادیان وعلمُ الابدان او کماقال رسول اللّٰہ ﷺ

اللھُم سبحنک لا علملنآ الا ما علمتنا اِنَکَ انت العلیمُ الحکیم

مَــولایَ صَــلِ وَسَــلـــمُ دَائــمــاً ابــداً

عَــلٰــی حَبِیبکَ مَــنُ زانــت بِــہٖ اُلــعُــصُــروا

حضور ﷺ نے فرمایا مکمل علم وہ ہے جس کے دو حصے ہیں ہے ایک ''علم الادیان'' عقائد نظریات وکردار یعنی Normative Sciences کا علم اور دوسرا حصہ ہے ''علم الابدان'' مادی اشیاء کا علم Physical Sciences کا علم۔ جب یہ دونوں حصے مکمل ہوں گے تو پھر پورا علم ہوگا جسے حضور ﷺ نے العلم فرمایا ہے۔ اگر ایک شخص نیک بھی ہے باکردار بھی ہے دین کا علم پڑھتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ مادی اشیاء کو کیسے استعمال کرنا ہے تو اس کا علم آدھا ہے اور دوسرا شخص مادی علوم میں مہارت رکھتا ہے سائنس میں محقق کا درجہ رکھتا ہے لیکن دینی علوم سے بے بہرہ ہے تو اس کے پاس بھی آدھا علم ہے اور ہمارا آج کا قومی مسئلہ ہی یہ ہے کہ قوم دو حصوں میں بٹ چکی ہے ایک حصہ ان لوگوں کا ہے جو نیک اچھے باکردار اور پاکیزہ صفت ہیں لیکن انہیں معاملات کو سلجھانے سمجھنے اور بہتر رخ دینے کے لئے معلومات نہیں ہیں۔ سوائے شور کرنے کے وہ کچھ کرنہیں سکتے دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنکے پاس مادی علوم تو بہت ہیں لیکن وہ دین کے

بنیادی عقائد سے بھی واقف نہیں بلکہ ایک حد تک دین سے ڈرے سہمے ہوئے ہیں کہ نجانے دین دار ہونا کتنی پابندیوں قدغنوں کا نام ہے اور دین کتنی بڑی مصیبت ہے اور دیندار نہایت قدامت پرست ہوتے ہیں۔ تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں ہسپانیہ جب روبہ زوال تھا تو عیسائیوں نے مسلمانوں سے بہت سا علاقہ چھین لیا معتمد کی حکومت تھی جس کی بڑی روشن خیال حکومت تھی۔ مسلمانوں کا عیسائیوں نے ناطقہ بند کر رکھا تھا ملک کے نوجوانوں نے مجاہد تنظیم بنائی اور شمالی افریقہ کے بربر سلطان یوسف بن تاشفین کو مشورہ دیا کہ عیسائیوں کے خلاف اس علاقے کے مسلمانوں کی مدد کریں حکمران وقت معتمد نے اپنے امرائے سلطنت سے مشورہ کیا کہ یوسف بن تاشفین سے عیسائیوں کے خلاف مدد لی جائے؟ اس پر روشن خیال اور دین سے سہمے امرائے سلطنت نے کہا کہ وہ تو بہت قدامت پسند اور قدیم خیالات کے لوگ ہیں اُن کا تو بادشاہ کھدر بھی پہن لیتا ہے مسجد میں جا کر نماز بھی پڑھ آتا ہے گلی میں لوگ روک لیں تو کھڑا ہو جاتا ہے لہٰذا یہ تو بڑے غیر مہذب لوگ ہیں اگر وہ ہسپانیہ آ گئے تو ہمارے کلبوں میں اپنے گھوڑے باندھیں گے اور ہماری تہذیب ختم ہو جائے گی۔ یوسف بن تاشفین نے عیسائیوں کو پے در پے شکست سے دوچار کیا اسکی وجہ سے عیسائیوں نے انہیں بے رحمی اور ظلم وزیادتی کا مظہر قرار دیا اور اُن کے قبیلے بربر سے اُن پر طعن کرنے کے لئے بربریت کا لفظ ایجاد کیا پھر جہاں ظلم وزیادتی ہو وہاں بے رحمی کے معنوں میں بربریت کا لفظ استعمال کیا۔ اُردو میں بھی بربریت کے معنی بے رحمی کے ہیں یہ دراصل عیسائیوں کی ایجاد ہے ورنہ یوسف بن تاشفین افریقہ کی بربر قوم کے فرد اور شمالی افریقہ کے نہایت قابل دینی اور دنیاوی علوم کے ماہر اسلام کے جانباز اور جانثار جرنیل تھے اور انکی فوج جانبازی اور فن سپہ گری میں مثالی فوج تھی جن کے ہاتھوں عیسائیوں کو بے شمار مرتبہ شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ بربر نہ صرف دینی علوم سے بہرہ ور تھے بلکہ دنیاوی علوم پر بھی دسترس رکھتے تھے فن حرب وضرب سے بھی واقف تھے اور امور سلطنت اور جہاں بانی کو بھی جانتے تھے۔

جب مجاہدین نے اپنے طور پر سلطان یوسف بن تاشفین سے رابطہ کیا اور ساری صورتحال سامنے رکھی تو سلطان نے اراکین سے مشورہ کرنے کے بعد ہسپانیہ کے مسلمانوں کی مدد کا فیصلہ کیا اور کہا کہ یہ ممکن نہیں کہ ہمارے پاس فوجی طاقت ہو اور عیسائی مسلمانوں سے ریاست چھین لیں۔ اسی اثناء میں عیسائی بادشاہ الفانسو نے آگے بڑھ کر معتمد کو ایک قلعے میں بند کر دیا اور قلعے کا محاصرہ کر لیا اگر وہاں معتمد کو شکست ہو جاتی تو ہسپانیہ اس روز عیسائیوں کی گود میں چلا جاتا۔

سلطان یوسف بن تاشفین نے تیاری کی لیکن ان کا اکلوتا بیٹا شدید علیل ہو گیا اطباء نے عرض کی کہ آپ سمندر پار جانا چاہتے ہیں اور بیٹے کے بچنے کی امید نہیں انہوں نے فرمایا ہر ایک کی موت کا وقت معین ہے میں رک جاؤں گا تو موت نہیں ٹلے گی اور چلا جاؤں گا تو میری غیر حاضری کی وجہ سے موت نہیں آئے گی اسے اپنے وقت پر ہی آنا ہے لیکن میرا فرض پکار رہا ہے میرے پاس طاقت وقوت ہے فوج ہے اور اسلامی سرزمین کفر کے نرغے میں ہے۔ یہ کہہ کر بحری جہازوں کا ملاحظہ فرمانے کیلئے سمندر پر تشریف لے گئے۔ بہت بڑی لہر آئی لوگ کنارے کیطرف بھاگے لیکن سلطان کھڑا رہا جب پانی واپس چلا گیا تو سلطان اپنے قدموں پر کھڑے تھے عرض کی گئی کہ آپ کو اپنے تحفظ کے لئے پیچھے ہٹنا چاہیے تھا۔

آپ نے فرمایا میں نے دعا کی تھی کہ اگر میں کسی ذاتی خواہش، غلط ارادے یا کسی لالچ میں جا رہا ہوں تو میرا غرق دریا ہونا ہی بہتر ہے

اور اگر میں خلوص نیت سے جہاد کیلئے نکلا ہوں تو پھر سمندر میرا کیا بگاڑ سکتا ہے! پھر انہوں نے اپنے سامنے اپنی فوج جہازوں میں سوار کی اور جہاز ہسپانیہ کے لئے لنگر انداز ہوئے جب الفانسو معتمد کے قلعے کا محاصرہ کر چکا تھا تب یوسف تاشفینؒ کی افواج وہاں پہنچ گئیں۔

دین سے دوری' بے دینی کو تہذیب سمجھنا یہ ایسی بڑی بیماری ہے جو آج ہم میں بھی روشن خیالی کے نام سے موجود ہے یہی حالت وہاں تھی کہ ہسپانوی مسلمان خود کو روشن خیال اور یوسف بن تاشفینؒ اور انکے ساتھیوں کو قدامت پسند سمجھتے تھے اُن کا یہ جملہ تاریخ میں بڑا معروف ہے کہ یہ ہمارے کلبوں کو اصطبل بنا دیں گے۔ ہسپانوی لوگوں کی اس نفسیات کے پیش نظر الفانسو نے جب یوسف بن تاشفینؒ کو وہاں دیکھا تو معتمد سے بات کی کہ یہ تو جاہل قسم کے لوگ ہیں تمہاری سلطنت بھی تاراج کر دیں گے اس لئے تم میرے ساتھ شامل ہو جاؤ دونوں مل کر اسے شکست دیتے ہیں پھر ہم آپس میں صلح کر لیں گے تم اپنی سلطنت اپنے پاس رکھو میں واپس چلا جاؤں گا اور روشن خیال معتمد کی الفانسو سے صلح ہو گئی جب سلطان کا لشکر صف آرا ہوا تو الفانسو اور معتمد مل کر حملہ آور ہو گئے بڑے گھمسان کا رن پڑا دونوں کو شکست ہوئی الفانسو بھاگ گیا معتمد گرفتار ہوا۔ سلطان نے اسے مسلمانوں کی سربراہی سے علیحدہ کر دیا ایک جزیرے میں اس کے اہل خاندان اور ملازمین کے ساتھ قید کر دیا ہسپانیہ کی حکومت اس مجاہد تنظیم کے حوالے کی جو سلطان کو مدد کے لئے بلانے گئے تھے اس کے بعد چار سو سال تک پھر ہسپانیہ مسلمانوں کے زیر نگیں رہا۔

یوسف بن تاشفینؒ مکمل علم کے حامل تھے۔ مسلمان کا علم مکمل ہی تب ہوتا ہے جب وہ عقائد ضروریات دین سے بھی واقف ہو اور امور دنیا اور دنیا کے پیچ وخم کو بھی سمجھتا ہو۔ ہمارا مسئلہ بھی ہسپانیہ کے روشن خیال اور بربروں والا ہے لیکن بربروں میں ایک خصوصیت تھی۔ وہ دین پر پکے تھے باکردار و باعمل تھے اور امور دنیا سے بھی بہت آگاہ تھے یہ فن حرب کا کمال تھا کہ وہ ایک محدود لشکر کیساتھ معتمد کی مدد کے لئے آئے تھے لیکن جب میدان میں اُترے تو معتمد اور الفانسو دونوں حکمرانوں سے مقابلہ کرنا پڑا اور دونوں کو شکست دی دوسری طرف امور دنیا کی اتنی سمجھ تھی کہ معتمد کو کہا اگر تمہارا اسلام کے خلاف کفر سے الحاق ہو سکتا ہے تو تم اس قابل نہیں ہو کہ مسلمانوں پر حکومت کرو۔ تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا باقی زندگی تمہیں جلاوطنی میں ایک جزیرے پر گزارنی ہوگی تمہیں صرف حکومت وسلطنت سے بے دخل کیا جا رہا ہے کہ تم نے مشرک سے الحاق کر کے اپنا حق حکمرانی کھو دیا ہے لیکن تمہارے اہل خانہ اور دیگر تمام سہولیات تمہیں مہیا رہیں گی اور باقی ماندہ زندگی تم جزیرے پر ہی رہو گے تاکہ مسلمان عوام اسلامی زندگی گزار سکیں یہ مومنانہ فراست تھی جو مکمل علم کے باعث ملتی ہے۔ اس قدر رعایات دینے کے باوجود ہمارے خود ساختہ دانشور سلطان یوسف بن تاشفینؒ پر اعتراض کرتے ہیں کہ وہ اتنے قدامت پسند تھے کہ انہوں نے معتمد جیسے مہذب بادشاہ کو ایک جزیرے میں قید تنہائی میں پھینک دیا یہ رائے اس لئے ہے کہ دانشور اسلام کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔

حضور ﷺ کے نزدیک علم الابدان کے حاصل کرنے کی اتنی اہمیت ہے کہ فرمایا اطلبُ العلم لو کان بصین اوکما قال رسول اللہ ﷺ۔ علم حاصل کرو اس کے لئے خواہ چین جانا پڑے۔ عرب سے چین تک کا سفر بہت دور دراز کا سفر تھا اس سے مراد یہ ہے کہ خواہ کتنا ہی دور جانا پڑے علم حاصل کرنے ضرور جاؤ دوسری بات یہ سمجھ آتی ہے کہ مدینہ منورہ چھوڑ کر چین دین کا علم سیکھنے تو کوئی نہ جاتا ہوگا کہ مرکز علم تو ذات نبوی ﷺ خود مدینہ منورہ میں جلوہ افروز تھے تو چین تک علم سیکھنے کی ترغیب ظاہر ہے دینوی علم یعنی علم الابدان کے

لئے ہی تھی۔ یعنی مادی اشیاء کی تعلیم وتحقیق اُن سے کسی طرح زیادہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں کوئی شعبہ طب میں تحقیق کرتا ہے اور امراض کے علاج دریافت کر لیتا ہے، کسی نے تحقیق کی تو پہیہ سے سائیکل، کار دوسری سواریاں اور پھر جہاز بن گئے کسی نے ٹیکنالوجی میں تحقیق کی اور بجلی سے چلنے والی کارآمد اشیاء بنائیں۔ فون، ریڈیو، ٹی وی اور دیگر یہ سب مادی علوم پر دسترس سے ہوا اس کے بعد باری آتی ہے ان کے استعمال کی۔ یہاں دینی علوم کی ضرورت ہے ٹی وی اور اس طرح کی دوسری اشیاء حرام نہیں ہیں کہ انہیں توڑ دیا جائے یہ تو ان کا غلط استعمال ہے جسے روکنے کی تربیت کی جائے۔ کوئی چاہے تو انٹرنیٹ پر فحاشی دیکھے اور کوئی اسے تعلیم وتعلم کے لئے استعمال کرے۔ نیکی پھیلائے نیک مقاصد کے لئے استعمال کرے۔ میں آج آپ سے مخاطب ہوں اور آج ہی شام یہ کمپیوٹر کے ذریعے دنیا بھر میں سنا جا سکتا ہے کوئی سننا چاہے تو اس کے لئے یہ سہولت عام ہے تو مادی اشیاء کو درست استعمال کرنا علم کا صحیح مصرف ہے۔ ہاں دینی علم کی جب بات آتی ہے تو اس کے دو شعبے بن جاتے ہیں۔ ایک ہے خبر معلومات کا حاصل ہو جانا۔ یعنی کسی نے بہت کتابیں پڑھ لیں، مطالعہ بے شمار کیا لیکن توفیق عمل نہ ہوئی نہ دل میں وہ کیفیات آئیں نہ دل چاہا نہ مزاج بدلا۔ تو ان تمام معلومات کو خبر کہیں گے علم نہیں علم تب ہوگا جب توفیق عمل ہوگی یعنی جو کچھ درست عقائد کے بارے پڑھا ویسا اس کا عقیدہ ہو جائے اور جو کچھ اعمال کرنے کے بارے پڑھا ویسا عمل بھی نصیب ہو جائے اور یہ نصیب ہوتا ہے ان برکات نبوت سے جو قلب اطہر رسول ﷺ سے تقسیم ہوئیں۔ اس لئے کتاب اللہ کا پڑھنا ارشادات عالیہ کا پڑھنا اور پھر انکے مطابق توفیق عمل ہو تو یہ علم بن جاتا ہے لیکن پھر بھی علم کا ایک حصہ یعنی علم الادیان۔ اس کے ساتھ مادی چیزوں کا علم نہ ہو تو یہ آدھا علم ہے اگرچہ اللہ کا شکر ہے اس سے نجات ہو جائے تو بڑی کامیابی ہے فمن زُحزح عن النار وأُدخل الجنة فقد فاز (آل عمران ۱۸۵) جو جہنم کی آگ سے بچ گیا اس کی نجات ہو گئی وہ کامیاب ہو گیا لیکن حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ علوم دنیا سے بھی آگاہ ہو اور دنیاوی و مادی چیزوں کو انسانیت کی بہتری کے لئے استعمال کر سکے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں کئی سنہرے دور اس مکمل علم سے آراستہ مسلمانوں کے کارناموں سے پُر دیکھے جا سکتے ہیں برصغیر پر بلا شرکت غیرے مسلمانوں نے سات سو سال حکومت کی ہے اس کا کمال یہی تھا کہ اس پورے عہد میں پوری مملکت میں ایک جیسے مدارس اور جامعات تھے جامعہ اس ادارے کو کہتے ہیں جس میں دنیا کے سارے علوم پڑھائے جاتے ہوں اسے انگریزی میں یونیورسٹی کہتے ہیں ان جامعات کو حکومت نے کسی اور کی مالی معاونت سے مستثنیٰ رکھا ہوا تھا۔ اُن کے ساتھ ملحقہ جاگیریں اور جائیدادیں تھیں ان جامعات کا نظم ونسق چلانے کے لئے بورڈ بنے ہوئے تھے۔ ان زمینوں اور جاگیروں سے جو آمدنی آتی تھی اس سے تعلیمی اداروں کی عمارات کی تعمیر، اساتذہ کی تنخواہیں رہائش بچوں کی کتابیں اور رہائش کا انتظام ہوتا تھا اور یہ تعلیمی نظام غیر طبقاتی تھا جہاں دہقان کا بچہ پڑھتا اُسی جماعت میں حکمران اور سلطان کے بچے بھی اسی کے ساتھ بیٹھتے ایسے اساتذہ بھی گزرے ہیں جنہوں نے شاہی بچوں کو محل میں جا کر پڑھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ انہیں باقی بچوں کے ساتھ مدارس میں پڑھنے دیا جائے۔ ان جامعات کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے تھے تعلیم کتابیں اور بچوں کا دودھ مفت تھا یہی وجہ ہے کہ آج کل کے وسائل نقل وحمل اور ذرائع آمدورفت کے نہ ہونے کے باوجود کشمیر سے کلکتہ تک اور کابل سے بنگال تک کی سلطنت کی حکمرانی دہلی میں بیٹھ کر کی جاتی تھی وہ حکمران دینی اور دنیاوی علوم میں یکساں

دسترس رکھنے والے باعمل مسلمان تھے انہی جامعات سے پڑھے ہوئے جرنیل بھی بنتے تھے۔ مجاہد اور سپاہی بھی' طب کے ماہر بھی' مدرس اور اساتذہ بھی' وزیر وحکمران بھی' مفسر ومحدث بھی غرض ہر شعبہ زندگی کے لوگ انہی جامعات کے تربیت یافتہ تھے جب انگریز نے برصغیر پر قبضہ کیا تو مسلمانوں کی شرح خواندگی چوراسی فیصد تھی۔ انگریز نے جو رپورٹ برطانیہ بھیجی وہ برطانیہ کی انڈین آفس لائبریری میں موجود ہے اسکی ایک نقل جناح لائبریری لاہور میں بھی دستیاب ہے اس رپورٹ میں اس نے لکھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی شرح خواندگی چوراسی فیصد ہے۔

ان چوراسی فیصد لوگوں کو غلام بنانا آسان نہ تھا بڑے غور وخوض کے بعد برطانوی دانشور اور حکومت نے طے کیا کہ عربی فارسی ان کی دو سرکاری زبانیں ہیں ان دونوں زبانوں کو جاننے والوں کو سرکاری ملازمت نہ دی جائے جب یہ روزگار سے محروم ہونگے تو انکی آئندہ نسلیں عربی وفارسی پڑھنا چھوڑ دیں گی دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ مدارس کی جائیدادیں ضبط کر لی جائیں تاکہ مسلمانوں کی شرح خواندگی کو زک پہنچے چنانچہ تمام جاگیریں ضبط کر کے مدارس کو بے آسرا کر دیا گیا اور وہ جاگیریں قوم کے غداراور انگریزی استعمار کے وفاداروں میں بانٹ دی گئیں۔

میری معلومات کے مطابق صرف ملتان ڈویژن میں کم ازکم تین سو مربع اراضی ایسی تھی جو مدارس سے چھین کر جاگیرداروں کو دی گئی۔ مدارس اور جامعات کو جب تنہا کر دیا گیا اور اُن کا کوئی مادی سہارا نہ رہا تو اُمت کے نہایت قابل اور قابل عزت افراد سامنے آئے جو بہت پائے کے مفسر' محدث' فقیہہ' صاحب حال اور باعمل عالم تھے انہوں نے دینی تعلیم کو بغیر دنیاوی سہارے کے جاری رکھا اور اسلامی مدارس کو ختم کرنے کی کوشش کے خلاف عملی جہاد کیا ان عظیم انسانوں نے' اللہ کے مقرب بندوں نے جو سلاطین سے زیادہ عظمت کے مستحق تھے انہوں نے بوریئے پر عمر بسر کر دی' زکوۃ اور صدقات مانگے' گدا گری کی اور نہایت مشکل حالات میں جس قدر ممکن تھا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام وفرامین کی تعلیم وتعلم کا کام جاری رکھا ہم نے بھی اپنے بچپن لڑکپن بلکہ جوانی تک دینی مدارس کے طالب علموں کو ان نامساعد حالات میں تعلیم کا کام جاری رکھتے دیکھا ہے۔ پڑھائی کے بعد صبح شام گاؤں میں کھانا مانگتے دیکھا ہے۔ اس طرح انہوں نے دینی تعلیم کو تو جاری رکھا لیکن ان وسائل کیساتھ مادی تعلیم کو جاری رکھنا ان کے لئے ممکن نہ رہا اور ڈیڑھ سو سالہ دور انحطاط میں اللہ نے ان سے دین کی خدمت کا قابل قدر کام لیا اللہ ان پر ہمیشہ اپنی رحمتیں نازل فرمائے یہ انکے جہاد کا نتیجہ ہے کہ برصغیر میں دین پر تحقیق وتطبیق کا کام پوری جانفشانی کے ساتھ ہوتا رہا اور حفظ قرآن تعلیمات قرآن وحدیث' فقہ' صرف ونحو اور علم کلام کے ذریعے حفاظت دین کا عملی کام اگلی نسلوں کو منتقل ہوتا رہا اگرچہ دنیاوی طور پر ترقی کے تمام راستے دینی مدارس سے پڑھے ہوئے افراد کے لئے مسدود کر دیئے گئے جو ان مدارس سے پڑھ کر نکلتا اُسے کہیں کوئی ملازمت نہ ملتی تب یہ محاورہ بنا ''پڑھیں فارسی بیچیں تیل'' اور واقعتاً بڑے عالم فاضل لوگ اس بات پر مجبور ہو گئے کہ سڑک کے کونے پر تیل بیچا کریں صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انگریزوں نے لارڈ میکالے کے زیر نگرانی اپنا نصاب تعلیم وضع کیا جو آج تک ہمارے ہاں رائج ہے اس میں انہوں نے برصغیر کے لوگوں کیلئے علم کا مقصد بدل دیا اسلام میں علم کا مقصد ہے تحقیق وتطبیق چیزوں کو سمجھنا اُن کے بارے معلومات اکٹھا کرنا اُن کے فوائد ونقصانات سے آگاہ ہونا اور اپنے عہد پر اُن کو منطبق کرنا۔ ہر شعبہ زندگی میں بدلتے حالات کیمطابق علم کو استعمال کرنا اسی لئے لارڈ میکالے سے پہلے مسلمانوں کے برصغیر کے نظام

تعلیم سے تربیت یافتہ شخصیات نکلتی تھیں جنکی مختلف صلاحیتیں نکھر کر سامنے آتی تھیں انہی میں سے سپاہی سے جرنیل تک' طبیب سے سائنس دان تک' جغرافیہ' حساب' تاریخ سے علم وادب تک ہر شعبہ زندگی کے لوگ انہی جامعات کی تربیت کے مرہون منت تھے۔ لارڈ میکالے نے نہ صرف تعلیمی معیار پست کر دیا بلکہ تعلیم کا مقصد ہی بدل دیا یعنی نوکری اور روزگار یعنی اس تعلیم کا مقصد تھا کہ بچے پڑھ لکھ کر کلرک بن جائیں ہیڈ کلرک بن جائیں بیوروکریسی کے کُل پُرزے بن جائیں اور پھر ریٹائر ہو کر پنشن لے کر گھر چلے جائیں اور تحقیق وتطبیق کا انہیں خیال تک نہ آئے۔ البتہ اپنے ممالک کے بچوں کے لئے تحقیق وتطبیق کا نظام تعلیم ہی جاری رکھا۔ اور برصغیر میں تب سے لیکر اب تک ہم اسی میں گرفتار ہیں ہم بھی اپنے بچوں کو اسی لئے پڑھاتے ہیں کہ بی اے ایم اے کر کے اُسے اچھی نوکری مل جائے گی ہم نے یہ سوچنا ہی چھوڑ دیا ہے کہ ایسی پڑھائی کروائی جائے کہ بچہ سمجھدار ہو جائے اس میں حالات کو سمجھنے کی استعداد آ جائے پڑھ لکھ کر کاشتکار کا بیٹا اچھے طریقے سے کاشتکاری کر سکے اور جو جہاں بھی جس شعبے میں بھی کام کرے اپنے زمانے کی انسانیت کے لئے بہتر کام کر کے چھوڑ کر جائے کوئی طب میں تحقیق کر سکتا ہے کرے اور بہتر دوائیاں بنائے کل پرزوں کا علم رکھتا ہے تو ان پر تحقیق کرے اور آسانی سے استعمال ہونے والی کم کثافت پیدا کرنے والی گاڑی بنائے کم خرچ ٹیلی فون بنا سکتا ہو تو اس پر تحقیق کرے موجودہ ایجادات کو مزید نکھارے اور بہتر کر کے چھوڑ کر جائے اُس میں سستا خام مال استعمال کرے اور عام آدمی کی رسائی تک لائے اسی طرح تمام شعبوں میں کام کرے۔ کام اور محنت سے عار نہ کرے لیکن جب سے ہم سے اسلامی نظام تعلیم چھین لیا گیا تب سے ہم اسی احساس کمتری میں مبتلا ہیں کہ پڑھ لکھ کر اگر کسی کو ملازمت نہیں ملتی تو وہ کوئی اور کام کرنا پسند نہیں کرتا بے روزگار رہتا ہے پریشان رہتا ہے معذور ہو کر بیٹھ رہتا ہے لیکن جب تک عہدہ نہ ملے اپنے گزارے کے لئے چھوٹا موٹا کام کرنا عار سمجھتا ہے اس لئے کہ معاشرہ عار دلاتا ہے اس لئے کہ تعلیم کا مقصد اچھی شخصیت بننا تھا جو کسی محنت کو عیب نہ سمجھے لیکن تعلیم کا مقصد روزگار بنا دیا گیا۔ یورپ میں پی ایچ ڈی لوگ ہوٹلوں میں ریلوے سٹیشن پر کام کرتے نظر آتے ہیں۔ گھاس کاٹتے بھی دکھائی دیتے ہیں حالانکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں انہیں ان کاموں میں عار نہیں ہوتی وہ یہ کام کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ جب ملازمت نہ ملے اتنے دن گزارے کے لئے رقم پیدا کرنا اپنا فرض اور اپنی ضرورت سمجھتے ہیں۔

دراصل ہمیں آزادی اس طرح ملی جس طرح طوطے کو پنجرے میں رکھ کر کھلایا پلایا جاتا ہے اسے غلامی کا عادی کر لیا جاتا ہے پھر اس قید سے آزادی کے لئے پنجرہ کھول دیا جاتا ہے وہ اڑتا ہے چلتا پھرتا ہے اور پھر واپس پنجرے میں آ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ آزاد ہے ہماری آزادی یہی ہے اور ہمارے سمندر پار آقا ریموٹ کنٹرول کے ذریعے ہم پر حکومت کرتے ہیں اور ہم اسی حقیقی غلامی میں آزادی کے مزے لیکر خوش ہیں اصل میں برطانیہ کے نوآبادیاتی نظام کی کمر توڑنے کا سبب ہٹلر تھا اس نے ان کے نوآبادیاتی نظام کی کمر توڑ کر انہیں افریقہ سے لیکر برصغیر تک اور دیگر علاقوں سے اپنی کالونیاں ختم کرنے پر مجبور کر دیا اور اُسے ہر جگہ سے واپس برطانیہ جانا پڑا۔ کاش ہماری تحریک آزادی کی رہنما مسلم لیگ کو انگریزوں سے لڑنا پڑتا ہمیں اُن کے نظام معیشت نظام تعلیم نظام معاشرت سے نفرت ہوتی ہم اُسے بدل کر اسلامی معیشت اسلامی نظام تعلیم اور اسلامی معاشرت رائج کرنا پسند کرتے اس کے لئے ہم کافروں سے لڑتے انہیں دھکیل کر سمندر میں پھینکتے تو ہمیں آزادی کا شعور ہوتا ہم آزاد

ہوئے تو ہمارے پاس ایک لیڈر تھا محمد علی جناح جو آزاد منش تھے لیکن انکی زندگی نے وفا نہ کی اور اقتدار کا ہُما اُن لوگوں کے سروں پر بیٹھ گیا جو ملک کے غدار انگریز کے وفادار تھے جنہیں انگریز نے غداری کے انعام میں پہلے جاگیریں عطا کیں پھر جاتے جاتے انہیں سیاستدان بنا گیا آج تک انہی وڈیروں' جاگیرداروں کی اولادیں سیاست کر رہی ہیں آج کے ایک بہت بڑے سیاستدان کے والد نے مخبری کر کے ایک ہزار مجاہدین انگریزوں کے حوالے کئے جسکے صلے میں انہیں پانچ سو مربع اراضی ملی وہ جاگیردار بنے اور انکی نسل ہم پر مسلط ہے نام تو سب ہی جانتے ہیں لیکن کس کس کا نام لیں سارے ہی اسی قبیل کے ہیں یوں ہم غلاموں کی غلامی میں آ گئے پہلے ہم انگریز کے غلام تھے انگریز کے جانے کے بعد اس کے غلاموں کی غلامی میں آ گئے۔

انگریزوں نے تعلیمی معیار اتنا پست بنایا تا کہ برصغیر کے لوگ اس سے تعلیمی میدان میں آگے نہ بڑھ سکیں اور انگریز سے مرعوب ہو کر اسکے ماتحت رہنا پسند کریں ہمارے حکمرانوں نے تعلیم کے معیار کو عوام کے لئے اور گرایا تا کہ اب وہ انگریز کی جگہ ہم پر حاکم ہوں اور انہیں اپنے سے کم تر لوگ غلامی کیلئے میسر رہیں۔ امراء کے لئے بہتر تعلیمی معیار کے سکول ملک میں ہیں غرباء کے لئے کیا ہے؟ انکے اپنے بچے باہر کی بہترین یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور واپس آتے ہی سیاست دانی سے حکمرانی تک پہنچ جاتے ہیں آج وہ زمانہ نہیں رہا کہ ملک یا زمین پر قبضہ کر کے ہی حکومت کی جائے اب اپنے اپنے ممالک میں دور بیٹھ کر دوسرے ملکوں کے وسائل پر قبضہ کیا جا سکتا ہے، میڈیا کے ذریعے انکی اقدار پر اثر انداز ہوا جا سکتا ہے، ریموٹ کنٹرول کے ذریعے اپنے من پسند ملکی حکمرانوں کے ذریعے ان پر حکومت کی جاتی ہے سازش کے ذریعے عوام کو پس ماندہ رکھا جاتا ہے اور اب جیسی لڑائیاں ملک میں لڑی جاری ہیں وہ ایسی سازش ہے کہ بس ایک کو دوسرے سے لڑایا جا رہا ہے نہ مرنے والا مارنے والے کو جانتا ہے نہ مرنے والا کا اس میں کوئی قصور ہوتا ہے چلتے چلتے راہ گیر کام پر آتے جاتے لوگ بم دھماکوں کا نشانہ بن جاتے ہیں اور کسی کے پاس سوچنے کی فرصت ہی نہیں نمازی مسجد میں نماز نیت کر کے کھڑے ہیں سرکاری جہاز آ کر بمباری کرتا ہے پائلٹ بھی مسلمان ہے حکم دینے والے بھی اسلام کا دعویٰ رکھتے ہیں تو پھر مسلمان مسلمان نمازیوں کو بحالت نماز کیوں مار رہا ہے؟ اس لئے کہ ریموٹ کنٹرول کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔ یہ کونسی آزادی ہے؟ اگر یہ آزادی ہمیں اس طرح نہ ملی ہوتی ہمیں انگریزوں سے لڑنا پڑتا ہم نے جہاد کیا ہوتا ہم یوسف بن تاشفین کے نقش قدم پر چلے ہوتے انہیں دھکیل کر سمندر میں پھینکا ہوتا تو ہم میں بھی ایک جرات آتی کفر سے اور کافرانہ طاقتوں کے ہتھکنڈوں سے نفرت ہوتی۔ جیسا کہ امریکہ اور کینیڈا نے برطانیہ سے لڑ کر آزادی لی ابراہیم لنکن نے یہ تحریک شروع کی اور انگریزوں کو نبوک شمشیر وہاں سے نکالا اس جنگ کا اثر آج بھی امریکہ میں دیکھا جا سکتا ہے انہیں انگریزی زبان استعمال تو کرنا تھی لیکن انہوں نے انگریزی کے الفاظ کے ہجے تبدیل کر دیئے معمولی معمولی باتوں میں انگریزوں کیخلاف عمل کو رواج دیا مثلاً برطانیہ میں بجلی کا بٹن نیچے کی طرف دبائیں تو بلب جل اٹھتے ہیں امریکہ میں بٹن کو اوپر کیا جائے تو روشنی ہوتی ہے انگریزوں کا پیمانہ گیلن تھا امریکہ نے اپنا پیمانہ بنایا وہ اُسے امریکن گیلن کہتے ہیں برطانیہ کے پیمانے کو رائل گیلن کہتے ہیں دونوں کی مقدار میں فرق ہوتا ہے انگریز جوتے کا تسمہ سیدھا باندھتے ہیں امریکہ میں اوپر نیچے رکھ کر تسمہ الٹ دیتے ہیں یعنی ہر کام انگریز سے مختلف کرتے ہیں انگریز تنگ پتلون پہنتے ہیں امریکی کھلی پہنتے ہیں انگریز بجلی کا سامان دوسو بیس وولٹ پر چلاتا ہے اور پورے امریکہ میں ایک سو دس وولٹ پر

بجلی استعمال ہوتی ہے انہوں نے ہر چیز انگریز سے مختلف کی اس لئے کہ انہوں نے جانیں دی تھیں انہیں انگریزی استعمار پسند نہیں تھا وہ غلامی کو پسند نہیں کرتے تھے وہ اپنی مرضی سے جینا چاہتے تھے اور ہمیں انگریز بننے پر فخر ہے ہمارے دل میں اُن کے لئے اُن کے نظام کے لئے کوئی نفرت نہیں آئی اس لئے کہ ہمیں آزادی بھی خیرات میں مل گئی جس طرح خیرات دینے والے کی عظمت دل پر چھائی رہتی ہے اسی طرح کی عظمت ہمارے دلوں میں چھائی رہتی ہے ہم یہ سوچتے ہی نہیں کہ اس نے تو ہمارے لئے تعلیم کا مقصد ہی بدل دیا تعلیم کا مقصد نوکری نہیں تحقیق و تطبیق ہے مادی علوم میں تحقیق کرنا اور انسانیت کیلئے نئی نئی ایجادات کرنا آسانیاں پیدا کرنا چیزوں کو ہر ایک کی رسائی تک لانے کے لئے تحقیق کرنا۔ اور دینی علوم میں تحقیق و تطبیق کا مطلب ہے عقائد و نظریات' اعمال و کردار میں کہاں اللہ کی پسند ہے اور کہاں شیطان کا عمل دخل ہے ان امور کو جاننا سمجھنا یاد رکھنا اور بدلتے حالات کی ضروریات کے ساتھ دینی احکام کو کس طرح منطبق کیا جائے اسے اجتہاد کہتے ہیں اس تحقیق کو کرنا اور قرآن وسنت کی روشنی میں نئے مسائل کا حل اجتہاد کے ذریعے نکالنا۔ آج کل اجتہاد کو بھی دیگر چیزوں کی طرح رگیدا جا رہا ہے کہ اجتہاد قومی اسمبلی کرے گی خواہ قومی اسمبلی کے ممبران میں غیر مسلم ہوں گمراہ اور غلط عقائد و کردار کے لوگ براجمان ہوں اور ایسے مسلمان بھی ہوں جنہیں وضو نماز کے بنیادی مسائل سے ہی آگاہی نہ ہو۔ اجتہاد سے مراد یہ ہے کہ عہد حاضرہ کے مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں کس طرح حل کر کے قرآن وسنت پر عمل ممکن بنایا جائے اجتہاد سے یہ مراد نہیں کہ غیر دینی نظریات و اعمال کو قومی اسمبلی کی توثیق حاصل ہو جائے اور وہ قانون کا حصہ بن جائے۔

لارڈ میکالے تو چلا گیا تو ہمارا فرض بنتا تھا کہ ہم اپنے تعلیم کے مقصد کو درست کرتے میں علما سے معذرت چاہوں گا لیکن یہ بڑی تلخ حقیقت ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے دینی تعلیم کو جاری رکھنے کے لئے علما حق نے بڑی صعوبتیں برداشت کیں اس لئے کہ انگریز کی عملداری تھی اور انگریز کسی طور پر دینی مدارس کے حق میں نہیں تھا علما نے مدارس کو چلانے کے لئے جہاد میں زندگیاں گزار دیں لیکن آزادی کے بعد مدارس کا حق نہیں بنتا تھا کہ وہ زکوۃ وصدقات لیتے پھر اُن کا قومی حکومت سے مطالبہ ہونا چاہیے تھا کہ ملکی بجٹ میں تعلیم کے ضمن میں ان کا حصہ مقرر کیا جائے پھر دینی ادارے اپنی پہلے والی حیثیت بحال کرتے انہیں جامعات بناتے جہاں مادی اور دینی علوم یکجا اور یکساں پڑھائے جاتے جہاں سائنس ٹیکنالوجی بزنس اور بینکنگ پڑھائی جاتی اور ضروری احکامات و مسائل ضروریات دین پڑھائے جاتے اس سے آگے تفسیر حدیث فقہ پڑھائی جاتی تاکہ وہاں سے اللہ کے بندے میدان عمل میں بہترین کارکردگی دکھانے والے مجاہدین سائنسدان پاکباز آفیسر دیانتدار تاجر امانت دار حساب کتاب رکھنے والے اور ہر شعبہ حیات کے عملی کارکن ہوتے جن کے سینے منور ہوتے جو دنیا کے میدان عمل میں نام پیدا کرتے لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ ہمارے علماء کو شاید اس بات کی لذت آ گئی کہ کروڑوں کے چندے' فنڈز اور کروڑوں کی زکوۃ وصدقات قربانی کی کھالیں مل جاتی ہیں جن کا کوئی حساب نہیں جن پر کوئی محاسبہ نہیں اس لئے موج میلا کیے رکھو لیکن اس موج میلے کا حساب تو پائی پائی کا ہوگا میرا بھی آپ کا بھی علما کا بھی پڑھنے والوں اور پڑھانے والوں کا بھی یقیناً ہوگا اللہ معاف کرے معافی کی ہی آرزو کر سکتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس آزاد ریاست کو دینی مدارس نے کتنے ڈاکٹر' کتنے سائنسدان' کتنے تاجر' کتنے جرنیل' کتنے کاروباری لوگ کتنے ادیب و دانشور دیے کتنے مسلمان دیندار امانت دار حکمران دیے۔ اور کیوں نہ دے سکے؟

اس لئے کہ آدھے علم پر اکتفا کر کے بیٹھ گئے۔ انگریزوں کے ڈیڑھ سو سالہ ظالمانہ اقتدار میں علمائے حق نے علم کی شمع روشن رکھنے کے لئے زکوۃ وصدقات مجبوراً لیے ہیں لیکن جب مسلمانوں کو اپنا ملک مل گیا تو کیا پھر بھی دین کی ترویج زکوۃ کی مد سے ہونی چاہیے تھی جس ملک کے بجٹ میں صحت وصفائی کے ضمن میں مچھر مار دوائی کے لئے بجٹ میں گنجائش ہو وہاں دین سکھانے کے لئے اس بجٹ میں کوئی گنجائش نہیں اس کے لئے زکوۃ مانگی جائے اور چندے کیے جائیں اس بات کو وہ نہ سمجھ سکے جو علماء حق کے گدی نشین بنے جن گدی نشینوں کے بارے علامہ نے کہا ''زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن'' اگر آج دینی جماعتیں رُسوا ہیں انہیں دہشت گرد کہا جاتا ہے انہیں غیر مہذب کہا جاتا ہے تو اسی لئے کہ وہ بھیک مانگتے ہیں دین کو دنیا سے جدا کر کے بے عملی کی زندگی گزارتے ہیں اگر دینی مدارس کو جامعات بنایا ہوتا تو مدارس کے بچے ڈاکٹر' انجینئر' جرنیل' سائنسدان ہوتے مورخ' جغرافیہ دان' حساب دان' موجد ہوتے' قدامت پسند' رجعت پسند اور دہشت گرد نہ کہلاتے آج اپنے سارے ورع وتقویٰ کے باوجود عبادت گزار انسان دہشت گرد کہلاتا ہے اس لئے کہ ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے جسے حضورﷺ نے آدھا علم قرار دیا تھا۔ یہ سب بہت بڑا جرم ہے جو ہم کیے جا رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم تعلیمی لحاظ سے اس وقت اقوام عالم میں نہایت پست مقام پر کھڑے ہیں ہمارے پاس ایک ڈاکٹر عبدالقدیر ہے وہ بھی باہر جا کر سائنسدان بنا اور وہ ٹیکنالوجی ملک میں لایا تو ایک انقلاب آ گیا جس کا صلہ اُسے کیا مل رہا ہے؟ اگر بچہ بچہ عبدالقدیر ہوتا تو کتنے عبدالقدیر قید ہوتے کتنے رسوا ہوتے؟ کس کس کو پکڑتے دنیا ہمیں کہاں کہاں سے روکتی اور ہم ترقی کرتے کہاں تک چلے گئے ہوتے!۔

میری گزارش تعلیمی اداروں سے بھی ہے خاص طور پر ان اداروں سے جو سرکاری نہیں ہیں کم از کم وہ تو تعلیم کا مقصد بچوں کو بتائیں تعلیم کا مقصد نوکری نہیں تحقیق ہے چیزوں کو سمجھنا' جاننا اور انسانیت کو اس سے مستفید کرنا آج بھی اگر چند ادارے ہی اس مقصد کو سمجھ جائیں تو شاید آنے والے وقت کے لئے کچھ اچھے انسان قوم کو دے سکیں لیکن افسوس ہمارا معیار تعلیم ہی پست نہیں ہوا شرح خواندگی جو انگریز سے پہلے چوراسی فیصد تھی جس میں سارے کے سارے زیور تعلیم سے آراستہ تھے اب وہ گھٹتا گھٹتا ستائیس فیصد ہو چکا ہے اور حکومت اسے بڑے فخر سے بتاتی ہے اور ان ستائیس فیصد پڑھے لکھوں میں ہر وہ شخص شمار کیا جاتا ہے جو انگوٹھا نہیں لگاتا ٹیڑھا سا اپنا نام لکھ سکتا ہے اگر پڑھے لکھے کا معیار صرف میٹرک رکھ لیا جائے تو پھر ہماری شرح خواندگی سات فیصد رہ جائے گی اور اگر گریجویشن معیار رکھا جائے تو اس سے بھی نیچے آ جائے گی۔

یاد رکھیں! حصول علم فرض ہے فرائض کا جاننا فرض ہے واجبات کا جاننا واجب ہے علم دو حصوں میں ہے دینی احکام کو سمجھنا اور دنیاوی امور کو جاننا اور ان میں تحقیق کرنا' راہیں متعین کرنا اور عالم انسانیت کو زندگی کی بہتر سے بہتر تیں مہیا کرنا ہے حضورﷺ نے دنیاوی علم کے حصول کی تاکید فرمائی ہے اور چین تک جانے سے مراد عالی یہ تھی کہ دور دراز بھی جانا پڑے تو علم کے حصول کے لئے جاؤ۔ لیکن علم مکمل علم ہو عالم انسانیت کو مادیت کے نقصان سے بچانا اور مادی دور میں مادی چیزوں سے لطف اندوز ہونے میں بھی انہیں عظمت الٰہی سے آشنا رکھنا۔

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العلمین

.....☆☆☆.....

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 21-09-2007

الحمدللّٰہ رب العٰلمینo

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وَالہٖ

واصحابہٖ اجمعینo

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیمo

بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیمo

یا ایھا الذین امنو ان تطیعو الذین کفروا یردو کم علیٰ اعقابکم فتنقلبوا خٰسرینo بل اللہ مولکم . وھو خیر النصرینo سلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشر کوا باللہ ما لم ینزل بہٖ سلطنا وما وٰھم النار وبئس مثوی الظلمینo

اللھُم سبحنک لا علملناَ الا ما علمتنا اِنکَ انت العلیمُ الحکیم

مَولایَ صَلِ وَسَلِمُ دَائِماً ابداً
عَلٰی حَبِیبکَ مَنْ زانت بِہٖ الْعُصُروا

تفسیر: قرآن کریم کا اندازِ خطاب تین طرح سے ہے کہیں یا ایھا الناس کہہ کر ساری انسانیت کو پکارا گیا ہے ایسا خطاب پندونصائح سے پُر اور کاموں کے انجام سے مطلع فرمانے کے لئے ہوتا ہے کہیں یا ایھا الکفرون کہہ کر کفار سے خطاب ہے ایسا خطاب قرآن حکیم میں جہاں بھی ہوا ہے وہاں بجلی کی کڑک کا انداز لئے ہوئے ہے اور اس میں غضب الٰہی کا اظہار ہے اور ان کے انجام بد کی خبر ہے۔

اور کہیں یا ایھا الذین امنوا کے الفاظ سے ان لوگوں سے خطاب ہے جنہیں نور ایمان نصیب ہوا اس میں سراسر رحمت اور شفقت کا انداز ہے یہ اللہ کی مغفرت پانے اسکی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے بہترین طریقے بتانے سے بھر پور ہے اور یہ کتنی بڑی بات ہے کہ کسی عاشق صادق کو اس کا محبوب خطاب فرمائے اس کتاب کی لذت وہی جان سکتا ہے جسے ذات باری سے تعلق محبت نصیب ہو جسے اللہ سے پیار ہو۔ اللہ کریم سے محبت و پیار کے لئے نبی کریم ﷺ کی مکمل اور خلوص دل سے اطاعت ضروری ہے۔ اس آیت مبارکہ میں خطاب مومنین سے ہے۔ ایمان کے ہوتے ہوئے بھی مومن سے اعمال میں کمی ہو جاتی ہے۔ انسان دار دنیا میں ہے اور بتقاضائے بشریت اس سے کوتاہی بھی ہو جاتی ہے غلطی بھی سرزد ہو سکتی ہے اور گناہ بھی ہو سکتا ہے لیکن تقاضائے ایمان یہ ہے کہ مومن غلطی پر متنبہ ہو جاتا ہے اُسے گناہ کا احساس ہو جاتا ہے پھر وہ توبہ کرتا ہے رجوع الی اللہ کرتا ہے اور یوں اللہ کی مغفرت اُسے ڈھانپ لیتی ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ حضور ﷺ جب ہم آپ ﷺ کی صحبت عالی میں ہوتے ہیں تو ہماری ایمانی کیفیات مختلف ہوتی ہیں محبت الٰہی کا جذبہ بھی اور ہوتا ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت کی تمنا بھی شدید ہوتی ہے لیکن جب آپ ﷺ کی خدمت سے باہر جا کر امور زندگانی میں مصروف ہوتے ہیں تو کیفیات میں وہ

شدت نہیں رہتی۔ طلب میں کمی ہو جاتی ہے اور کوئی نہ کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے پھر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں غلطی کی اصلاح کرتے ہیں تو اس سے بچنے کے لئے کوئی تدبیر ارشاد فرما دیجیے اور ہمارے لئے دعا فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم صرف نیکی کرنے لگو اور تم سے خطا نہ ہو تو اللہ کریم تمہیں اٹھا لیں گے اور تمہاری جگہ کوئی دوسری مخلوق پیدا کر دیں گے جو نیکی کرے نیکی کی کوشش کرے گناہوں سے بچنا چاہے لیکن بتقاضائے بشریت اس سے غلطی ہو جائے پھر وہ اللہ سے رجوع کرے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس سے معافی کا خواستگار ہو اور اللہ کی بے پایاں و بیکراں وسیع مغفرت پر یقین رکھتے ہوئے اللہ سے بخشش چاہے اپنی اصلاح احوال کرے تو اللہ کو یہ بات پسند ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے فرشتے علیحدہ تخلیق فرمائے ہیں اور انسان کو فرشتہ نہیں بنایا نہ انسان فرشتہ ہو سکتا ہے اس کی انسانی ضرورتیں ہیں۔ انسانی خواہشات ہیں اس کا انسانی مزاج ہے اس سے کمی اور کوتاہی ہو جاتی ہے اور اللہ کو انسان کا یہ رویہ پسند ہے کہ بندہ اپنے عجز و نیاز کا اظہار اللہ کریم سے کرتا رہے اور اس سے مغفرت چاہتا رہے۔ یہاں تک بات درست ہے پسندیدہ ہے اس کے بعد کا رویہ خطرناک ہے اس خطرناک رویے اور اس کے انجام کو اس آیت مبارکہ میں بیان کیا جا رہا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان تطیعوا الذین کفروا۔ اگر تم نے کافروں کی اطاعت شروع کر دی اُن کا کہنا ماننے لگ گئے ان کے کہنے پر عمل کرنے لگ گئے تو یردوکم علیٰ اعقابکم کافر تمہیں ایمان پر قائم نہیں رہنے دیں گے تمہیں اتنی دور لے جائیں گے کہ تم سے دولت ایمان اور نور ایمان چھن جائے گا تم سے توبہ کی توفیق سلب ہو جائے گی اور تم واپس ظلمت و جہالت کے اندھیروں میں گم ہو جاؤ گے۔

ہمارے آج کے دانشور اور اہل علم کہلانے والے ان آیات کی ایسی عجیب تعبیر و تفسیر پیش کرتے ہیں جو سمجھ میں نہیں آ سکتی وہ کہتے ہیں یہ احکام اُس زمانے کے لئے تھے اور ان آیات کا اطلاق اُس زمانے کے احوال پر ہوتا ہے۔

اُن کی بتائی ہوئی تعبیر اس لئے ناقابل فہم ہے کہ قرآن کسی مخصوص زمانے کے لئے نہیں ہے نزول کے وقت سے لیکر قیامت تک کے لئے ہے اور تمام انسانیت کے لئے ہے اس لئے اس کے تمام احکام تمام زمانوں کے لئے ہیں اور یہ بات کیسے ممکن ہے کہ مومن کلمہ پڑھ لینے کے بعد کافر کی اطاعت شروع کر دے۔ کوئی مومن واقعی ایمان لانے کے بعد کفر کرنا پسند نہیں کرتا اور یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کلمہ پڑھ کر اسکی تصدیق کرے کسی کافر کے ساتھ کسی بُت کی پوجا کرنے لگ جائے یا نصاریٰ کے ساتھ ملکر تثلیث کا قائل ہو جائے یا یہود کے ساتھ ہو کر ان کے عقائد اختیار کر لے تو پھر قرآن کی اس تنبیہ سے کیا مراد لی جا سکتی ہے؟ یہی مراد لی جائے گی جو اس آیت میں بتائی گئی ہے کہ اگر حضور ﷺ کا اتباع چھوڑ کر اپنے دعویٰ ایمانی کے ساتھ کافروں جیسا کردار اپنا لو گے عملی زندگی میں اُن کا اتباع کرنے لگو گے تو رفتہ رفتہ غیر محسوس طریقے سے گمراہی کے گڑھے میں جا گرو گے لاہور کے ایک فاضل ٹی وی پروگرام میں اس حدیث پاک کی تشریح بیان کر رہے تھے کہ اس مشابہت کی توجیہہ یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں جب جہاد و غزوات ہوتے تو کفار کی بعض بستیاں ایسی بھی تھیں جن میں مسلمان رہتے تھے تو یہ حکم اس وقت کے اُن مسلمانوں کے لئے تھا کہ تم لوگ اپنی کوئی علیحدہ شناخت بنا لو ایسا نہ ہو کہ حملہ ہو اور تمہیں بھی اس میں نقصان ہو جائے کہ تمہارا حلیہ اور کافروں کا حلیہ ایک جیسا ہونے سے لاعلمی میں تمہیں نقصان پہنچ سکتا ہے لہٰذا اپنا حلیہ اُن سے جدا کر لو۔

میں ایک کم علم آدمی ہوں لیکن ایسی دور از حقیقت توجیہہ نہ کہیں پڑھی

نہ کہیں سنی نہ اس کا وجود حضور ﷺ کے زمانے میں تھا۔ عہد نبوی میں جن علاقوں میں فوج کشی ہوئی جہاد ہوا وہاں مسلمان نہیں تھے کوئی ایسی بستی نہیں تھی جس میں پہلے سے مسلمان بستے تھے اور کافر بھی رہتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں کچھ مسلمان تھے لیکن وہاں تو جنگ نہیں ہوئی مکہ تو بغیر جنگ کے فتح ہو گیا وہاں کے مسلمان تو ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا چکے تھے جو مسلمان وہاں رہ گئے تھے وہ کمزور بیمار معذور اور لاچار تھے اسی لئے ہجرت نہیں کر سکتے تھے۔ تو اُن کا جنگ سے کیا کام۔ لہٰذا ایسی توجیحات نہایت نامناسب ہیں اس ٹی وی پروگرام کے کمپیئر نے پھر وضاحت طلب کرتے ہوئے پوچھا کہ آپ کا مطلب ہے کہ نئی نسل کی خواتین جو Jeans اور Skirts پہنتی ہیں جن میں لباس جسم سے یوں چمٹا ہوتا ہے کہ ہر شکن اور عضو نمایاں ہوتا ہے یہ سب پہننا جائز ہے تو کہنے لگے یہ سب جائز ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے پناہ میں رکھے۔ اسی حدیث مبارکہ میں مشابہت کے ضمن میں علامہ ابن خلدونؒ نے اپنی معرکتہ الارا تصنیف ''مقدمہ ابن خلدون'' میں بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی بھی قوم کا لباس پہننا شروع کر دے تو سب سے پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کی وہ برائیاں جنہیں وہ پہلے بُرا سمجھتا تھا وہ اسکی نگاہوں میں بڑی ہلکی ہو جاتی ہیں۔ مشابہت اختیار کرتے کرتے بندہ خود کو اُن میں شامل سمجھنے لگتا ہے پھر اس قوم کے شعار میں شریک ہوتا ہے تو اس کا دل ان رسوم ورواجات کا دلدادہ ہونے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ اُن کے گناہوں میں شریک ہونے لگتا ہے۔ گناہ اُسے کفر کی طرف کھینچتا ہے اگر وہ اس سے باز نہ آئے تو ہو سکتا ہے کہ کرتے کرتے آخر اس کا دل اسلام سے اتنا دور ہو جائے کہ وہ خود اسلام کو چھوڑ دے۔ یہ تجربہ ہوتا رہتا ہے مثلاً ہمارے ملک کے ادیب شاعر دانشور خواتین وحضرات کا ہندوستان جانا آنا اکثر رہتا ہے۔ ہندوؤں کا یا گانے بجانے والوں کا مذہب تو کیا ہوگا بس مذہب کے نام پر کچھ شعار ہیں سب سے پہلا کام وہ یہ کرتے ہیں کہ ماتھے پر تلک لگا دیتے ہیں ہمارے لوگ وہاں جا کر فراخدل ہو جاتے ہیں اور تلک وغیرہ بھی لگوا لیتے ہیں پھر جہاں دوسری جگہوں کی سیر کرتے ہیں وہاں مندروں میں بھی چلے جاتے ہیں۔ واپسی پر سوغات کے طور پر اُن کی مشہور دیوی کا بُت لے آتے ہیں اور اپنے ڈرائنگ روم کی زینت بناتے ہیں۔ یہ وہی بُت ہے جو انڈین ٹی وی نشریات میں اکثر دکھایا جاتا ہے اور جسے وہ اپنے لئے بڑا باعث برکت خیال کرتے ہیں انہی شاعرات میں سے ایک شاعرہ یہاں دارالعرفان بھی تشریف لائیں یہاں انہوں نے نماز بھی پڑھی جبکہ اُن کے کانوں میں ایسی دیوی کے بُت والے آویزے بھی لٹکے ہوئے تھے کتنی عجیب بات ہے باوضو ہو کر اللہ کی بارگاہ میں سجدہ بھی کیا جا رہا ہے اور دو بُت بھی کانوں میں لٹکائے ہوئے ہیں جنکو پوجنے والے مشکل کشا سمجھتے ہیں انہی کو پہن کر اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز بھی ہیں۔ یہاں سمجھ آتی ہے علامہ ابن خلدون کی بات کہ جب کسی کافر قوم کی مشابہت اختیار کر لی جائے تو پھر تلک لگانا یا وہ آویزے جن پر بُت بنے ہوئے ہیں پہن لینا اُن کی نظر میں معیوب ہی نہیں رہتا۔ کفار سے اُن کے طور طریقوں کے ساتھ انکے انداز اپنا کر ملنے جلنے' کھانے پینے کے اثرات بہت زیادہ ہوتے ہیں بہت دور تک جاتے ہیں اور ہم نے اپنی انکھوں سے دیکھے ہیں۔

ہم نے اپنے معاشی نظام کو کفار کے تابع کر رکھا ہے سود پر استوار ہے اس کا نتیجہ ہمارے اخلاقی دیوالیہ پن سے ظاہر ہے ہاں کچھ محنت سے کسی کی کوشش سے کسی کے دل کی پکار کی قبولیت سے حکومت نے تمام بنکوں میں ایک شعبہ بلاسود بنکاری کا بھی شروع کر رکھا ہے لیکن کفار کا اتباع کر کے سود کھا کر لوگ اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ اس وقت

شاید ایک فیصد سرمایہ دار اپنا پیسہ بلاسود بنکوں میں رکھتے ہیں۔ اکثر سرمایہ رکھنے والوں نے بلاسودی بنکاری کی سہولت سے فائدہ اٹھانا پسند نہیں کیا بلکہ سودی کھاتے کھول رکھے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ یہی لوگ پکے نمازی بھی ہیں ہاتھوں میں تسبیح بھی گھومتی رہتی ہے داڑھی بھی رکھی ہوئی ہے لیکن چونکہ انہوں نے کفار کی بات مان رکھی ہے اور کفار کے اتباع میں چلنے کا اثر یہ ہے کہ سود کے حرام محسوس ہونے کا اثر دل سے نکل گیا ہے۔

جن لوگوں نے سود سے دامن بچا رکھا ہے اُن کا واقعہ بھی سن لیجے۔ ذکر کے ایک ساتھی ہیں لاہور میں رہتے ہیں سود سے بچتے ہوئے بزنس کرتے ہیں۔ اُن کا بزنس یہ ہے کہ تاجروں کے مال کی بلٹیاں چھڑواتے ہیں اور اپنی کمیشن لیتے ہیں۔ تاجروں کا مال قیمتی ہوتا ہے اور بلٹیاں چھڑا کر اُن تک مال بحفاظت پہنچانا خاصا پُر مشقت کام ہے۔ اس پر وہ معاوضہ لیتے ہیں اس مرتبہ ملے تو کہنے لگے کہ دفتری حساب دیکھتے ہوئے پتہ چلا کہ کچھ تاجر مال لے لیتے ہیں معاوضہ دینے میں دیر کرتے ہیں اس سے کاروبار کو نقصان پہنچتا ہے تو انہوں نے اپنے حساب کتاب رکھنے والے آدمی سے پوچھا کہ اس نقصان کو کیسے ختم کیا جائے اس نے کہا آپ کے دوسرے بھائی اور شریک کاروبار ساتھیوں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ جو تاجر بل ادا کرنے میں دیر کرے گا اُس سے سود کیساتھ رقم وصول کی جائے گی یہ سن کر وہ خاموشی سے اٹھ گئے اور اپنے شریک کار بھائیوں بھتیجوں سے کہا کہ مجھے گلبرگ میں ایک کوٹھی خرید دو میں وہاں وسط ایشیائی ممالک سے چند نوعمر لڑکیاں خرید لاؤں گا وہاں انکے سرپرست اور والدین بیچتے ہیں انہیں لا کر گلبرگ میں پیشہ کرواؤں گا اور ہم سب مزے سے یہ آمدنی کھائیں گے تو وہ سب بھڑک اٹھے کہ آپ ہمیں ایسا رذیل سمجھتے ہیں اس پر انہوں نے کہا دیکھو پیشہ کر کے کھانے والوں کے ساتھ اللہ نے جنگ کی وعید نہیں سنائی لیکن سود کیساتھ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کا اعلان قرآن میں موجود ہے اگر تم سود کھا رہے ہو تو پھر پیشہ ور کا پیشہ کھانے میں کیا حرج ہے۔ حرام ہی کھانا ہے تو یہ حرام کھا لو اس پر اللہ کے ساتھ اعلان جنگ تو نہیں ہے۔ اس پر وہ سب تائب ہو گئے اور سودی کھاتے بند کر دیئے۔

قرآن حکیم میں یہ اعلان موجود ہے۔ جو سود سے باز نہیں آتا وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جائے اور اس جنگ کا اثر یہ ہے کہ وجود پلتا رہتا ہے اور روح مرتی جاتی ہے اللہ سے جنگ کر کے موت سے ہی ہمکنار ہو گی۔ روح مرتی جاتی ہے اور گناہ کرنا کوئی عیب نہیں لگتا۔ عبادات کو رسم اور عادت اور اپنی پارسائی کے لئے شہرت کے لئے کرتا رہتا ہے۔

ڈاکخانے میں بنک کی نسبت سود کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے ڈاک خانے کے ملازم نے بتایا کہ ڈاک خانے میں ایک آدمی آیا کہ اصل تو مجھے نہیں نکلوانا میرے اصل پر جو سود بنتا ہے اس کا حساب کر دو اس کا حساب کیا تو اس کے سود کی رقم ایک لاکھ دس ہزار بنی اس نے کہا یہ مجھے دے دو اور دستخط کروالو۔ ڈاک خانے کے کارندے نے پوچھا تم اتنی رقم سے کیا کرو گے اس نے کہا حج کی درخواست کے ساتھ جمع کرواؤں گا۔ یہ حکایت نہیں اصل واقعہ ہے انہی باتوں کی خبر حضور نبی کریم ﷺ نے دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص دور دراز کا سفر کر کے بیت اللہ پہنچے گا اس سفر کے آثار اس کے وجود پر ظاہر ہوں گے کپڑے میلے بال پریشان تھکاوٹ سے چور ہو گا لیکن سیدھا بیت اللہ جائے گا بڑے درد سے پکارے گا لبیک اللھم لبیک ..... پھر طواف کرے گا لیکن اس کی کسی بات کا اللہ کریم جواب نہیں دیں گے۔ عرض کیا گیا حضور ﷺ ایسا کیوں ہو گا آپ ﷺ نے فرمایا اس لئے کہ اس کا لباس حرام کا ہو گا غذا حرام سے بنی ہو گی ایسے شخص کی بات

اللہ کریم قبول نہیں فرمائیں گے اور یہ جس نے ڈاک خانے سے صرف سود مانگا ہے تاکہ حج کر سکے اس کا احرام سے لیکر آخر تک کے تمام اخراجات حرام سے ہیں تو وہ اس حد تک کیسے پہنچا کہ وہ کلمہ بھی پڑھتا ہے نمازیں بھی پڑھتا ہے اس کے دل میں حج کی آرزو بھی ہے بیت اللہ جا بھی رہا ہے لیکن سود کو بُرا نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک یہ کوئی غلط بات نہیں۔ اسے اس چیز کا احساس نہیں کہ وہ کن پیسوں سے حج کر رہا ہے۔ یہ کس طرح ہو گیا۔ سوچ کس طرح مسخ ہو گئی۔ اس کی وجہ کفار کا اتباع ہے کافروں کی بات ماننے کی وجہ سے اتنے بڑے جرم کو معمولی سمجھ کر قبول کر لیا۔

یہی بات یہ آیت کریمہ واضح کر رہی ہے ان تطیعوا الذین کفروا اگر تم کافروں کی بات ماننے لگ جاؤ گے فتنقلبوا خسرین تو پھر تم ناکام ہو کر گمراہ ہو کر بہت بڑے نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ یہ بات تو مشکل ہے کہ کوئی کلمہ گو شرک قبول کر لے عقیدہ بدل کر کفر کرنے لگے ظاہر ہے کافر کی بات عملی زندگی میں ہی مانے گا اُن جیسا کردار اپنائے گا ان جیسا لباس پہنے گا اُن جیسا رہن سہن اپنائے گا اُن جیسے کھانے کے طور اطوار ہوں گے اُن جیسا لین دین کرے گا اور مومن اگر ایسا کرنے لگے گا تو کفار کا اتباع اسے واپس دور جہالت میں لے جائے گا اور کیسی حیرت ناک صورتحال بن جائے گی کہ بندہ دن رات تسبیح بھی ہاتھ میں رکھے داڑھی سے چہرہ مزین ہو نمازیں پوری پڑھے لیکن سود کو حرام نہ مانے اس شدت سے حرام نہ جانے جس شدت سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے حرام بتایا ہے۔ تو حرام کو حرام نہ سمجھنا بھی کفر ہے۔ حرام کو حلال سمجھنا بھی کفر ہے اور حلال کو حرام جاننا بھی کفر ہے۔ جب موت کے بعد قبر میں آنکھ کھلے گی تو ساری زندگی کے سجدے، نمازیں، بھاگ دوڑ سب ہوا ہو چکی ہوں گی اور فرشتے کہیں گے کہ تم تو مسلمان ہی نہیں ہو تو اس بندے کی کیا حالت ہو گی! وہ شخص جس نے ساری زندگی گناہ کئے اُسے تو انجام بد سے حیرت نہ ہو گی کہ اُسے پتہ تھا کہ وہ کیا کرتا رہا لیکن جو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا رہا۔ عبادات بھی کرتا رہا اُسے جب قبر میں بتایا جائے گا کہ تم تو مسلمانوں کی فہرست سے خارج ہو تو کیا کیفیت ہو گی۔ آج دنیا میں رہتے ہوئے مہلت ہے کہ بندہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو بندہ توبہ کیوں نہیں کرتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے کافروں کی بات ماننا شروع کر دی ہے اور اسی بات سے اللہ کریم متنبہ فرما رہے ہیں کہ اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں الٹے قدموں واپس اسی جہالت اور گمراہی میں لے جائیں گے اور تم بڑے خسارے میں چلے جاؤ گے۔

ایک خسارہ تو یہ ہے کہ کسی کو نور ایمان ہی نصیب نہ ہو یہ بھی بہت بڑا خسارہ ہے کہ زندگی ملی، دنیا میں آیا عقل و خرد ملا، اختیار و ارادہ ملا، شعور و ادراک کی صلاحیتیں ملیں حضور ﷺ مبعوث ہوئے اور اُن پر ایمان نہ لایا اپنے ارادے و اختیار کو درست سمت استعمال نہ کیا اور نور ایمان حاصل کئے بغیر دنیا سے چلا گیا۔ محروم ہوا۔ ایمان نہ لا کر تباہ ہو گیا اور بڑے خسارے میں چلا گیا، لیکن جیسے ایمان نصیب ہوا پھر کفر کی بات مان کر کافروں کی رائے پر چل کر جو ایمان سے محروم ہو کر جہنم چلا گیا تو یہ اس سے کئی گنا زیادہ بڑا خسارہ ہے اور عظیم نقصان ہے اس لئے فرمایا کہ کافروں کی بات مت مانو اعمال و کردار میں صرف اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرو پورے خلوص اور پوری دل جمعی کے ساتھ اپنی پوری کوشش اس بات پر لگا دو کہ قولاً فعلاً حالاً آقائے نامدار ﷺ کا اتباع کیا جائے یہی تقاضا مسلمانی ہے اور یہی تقاضا ایمان ہے۔ مسلمان کی زندگی میں صرف نماز روزہ ہی دین نہیں یہی عبادت نہیں بلکہ مسلمان کا ہر لمحہ عبادت ہے دنیا کا ہر کام عبادت ہے اس کے کمانے کے اوقات عبادت میں شمار ہوتے ہیں وہ اگر لڑتا ہے

اور صلح کرتا ہے تو یہ بھی اسکی عبادت ہے اس لئے کہ وہ یہ سب کام نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم اور طریقے کے مطابق کرتا ہے اور جو کام بھی حضورﷺ کے کہنے پر اور انکے طریقے پر کیا جائے وہ کام عبادت ہے اور انہی کاموں میں جب وہ حضورﷺ کا اتباع چھوڑ دے۔ دعویٰ مسلمانی کے باوجود لوگوں کے حقوق ادا نہ کرے انہیں دھوکہ دے۔ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی بجائے لوگوں کو پریشان کرے۔ رشوت لے بُرائی میں غرق رہے تو وہ غیر محسوس طریقے سے آہستہ آہستہ کفر کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور بالآخر گمراہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے بل اللّٰہ مولٰکم. فرمایا لیکن مسلمان ایسا کیوں کریں گے جبکہ اللہ اُن کا دوست ہے۔ اللہ مولیٰ ہے اللہ مالک ہے اللہ ولی ہے دوست ہے یعنی ہر بندہ مومن ایک درجے میں اللہ کا ولی یعنی اللہ کا دوست ہے کلمہ پڑھتے ہی بندہ ولایت الٰہی میں داخل ہو جاتا ہے بنیادی طور پر ہر مومن کو درجہ ولایت حاصل ہے پھر جوں جوں بندہ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول میں محنت کرتا ہے مجاہدہ کرتا ہے تو اس کے مقامات بلند ہوتے جاتے ہیں۔ جنہیں ہم ولی اللہ سمجھتے ہیں یہ ہمارا اُن سے حسن ظن ہے انکی پارسائی دیکھ کر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ولی اللہ ہیں انکی ولایت کی گواہی نہیں ہوتی یہ اللہ کریم کے علم میں ہوتا ہے نبی کی نبوت کی گواہی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے کہ یہ نبی اور رسولؑ ہیں۔ لیکن ہر مومن اپنے ایمان کے حساب سے اللہ سے دوستی کرتا ہے اُسے اللہ سے دوستی حاصل ہوتی ہے تو ایک دوست کو اللہ کے ولی کو یہ کب زیب دیتا ہے کہ وہ اللہ کی بات چھوڑ کر کافر کی بات مانے۔

قرآن حکیم کا انداز اتنا مشفقانہ اتنا دردمندانہ ہے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب میں کہوں کہ میں تمہارا دوست ہوں تو تم میری بات چھوڑ کر کافر کی بات پر چل نکلو۔ اس بات کو اپنی ذاتی زندگی پر منطبق کر کے دیکھیں ہم انسان ہیں اور اللہ کے محتاج ہیں لیکن ہماری غیرت اتنی ہے کہ کوئی دوست ہمیں دھوکہ دے ہم سے دغا بازی کرے تو ہمیں کتنا دکھ لگتا ہے۔ دشمن کرے ایذا پہنچائے تو تکلیف ہوتی ہے گلہ نہیں ہوتا اس سے توقع ہوتی ہے کہ وہ ہمارا بھلا نہیں کرے گا لیکن دوست ایسا کرے تو افسوس ہوتا ہے رنج پہنچتا ہے دکھ ہوتا ہے۔

پھر جب اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ میں ہر مومن کا دوست ہوں تو جسے اللہ کی دوستی نصیب ہو وہ اللہ کے روبرو اللہ کی کائنات میں اللہ کے دشمن کی بات مانے یہ کتنی عجیب بات ہے! جسے ہم سمجھتے ہی نہیں اور ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہمیں سمجھانے والے ہماری راہنمائی کرنے والے علماء کفار سے دوستی اُن سے مشابہت ان کے اتباع کے لئے جواز تلاش کرتے ہیں آیات کے اصل معنی سے ہٹا کر غلط تعبیریں دیتے ہیں یہ دانشور بُرائی پر سنہری رنگ کر کے سونا بنا کر پیش کرتے ہیں۔ قوموں پر جب عذاب آتا ہے تو اُن میں سب سے بڑی خرابی یہی تھی کہ جن لوگوں کا کام رہنمائی کرنا تھا وہ راہزنی پر اُتر آئے جس کا کام راستہ دکھانا تھا وہ راستہ بھٹکانے لگے۔ یہ عذاب الٰہی کی ایک صورت ہے۔ ظالم حکومتیں عذاب الٰہی ہیں کہ یہ عوام کے کردار کا عکس ہوتا ہے۔ حضورﷺ نے فرمایا اعمالکم عمالکم تمہارا کردار ہی تم پر حکومت کرے گا یہی ہماری بدقسمتی ہے ہماری حکومتیں ہمیں کفر کیطرف کھینچ رہی ہیں اور اسے روشن خیالی کہا جا رہا ہے اور علما بے حیائی کو اپنانے کے لئے دعوت دے رہے ہیں اور اس کے جواز کے لئے آیات واحادیث کی غلط تعبیریں کر رہے ہیں یہ سب اسی لئے ہو رہا ہے کہ بدکرداروں پر بڑا بدکردار ہی حاکم ہوتا ہے اور لوگ ظالم ہو جائیں تو ان پر بڑا ظالم ہی مسلط ہو جاتا ہے اسی انجام بد کی نشاندہی کی جا رہی ہے اسکے اسباب بتائے جا رہے ہیں اس سے بچنے کی

تدبیر بتائی جارہی ہے اس کا علاج بتایا جارہا ہے بل اللہ مولکم وھو خیر النصرین . اللہ تمہارا ولی ہے اور وہ سب سے اچھا مددگار ہے سب سے بہتر مددگار ہے تم اتنے بڑے قادر و قیوم کو چھوڑ کر مخلوق کی پناہ میں کیوں جاؤ گے؟ بندہ کسی اور کی بات کیوں مانتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر اسباب پر رہتی ہے کہ فلاں شخص فلاں ملک وقوم کے پاس طاقت ہے مادی وسائل ہیں اس کی حمایت سے ہمیں فائدہ ہوگا اسکی بات نہ مانی تو ہمیں نقصان ہوگا۔ یہی کیا اور یہی کہا ہمارے محافظ حکمرانوں نے جن کا کام ہی ملک اور خطہ زمین کی حفاظت کرنا ہے اُن پر ذرا سا دباؤ آیا تو انہوں نے امریکہ کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور قوم کے چند باضمیر انسانوں نے جب اُن سے یہ سوال کیا کہ امریکہ کی ایسی اطاعت کے کیا معنی؟ تو فوج کے ریٹائرڈ جنرل نے جو اس وقت صدر مملکت ہیں نے جواب دیا کہ اگر ہم امریکہ کی بات نہ مانتے تو وہ ہمیں پتھر کے زمانے میں پہنچا دیتے۔ پتھر کے زمانے میں پہنچائے جانے کا خطرہ تو اُن وزیروں مشیروں وڈیروں سرمایہ داروں کو ہی ہے عوام تو پہلے ہی پتھر کے زمانے میں رہ رہے ہیں جن کے بچے تعلیم سے محروم ہیں جنکے بزرگ علاج سے محروم ہیں جن کے گھر والے صبح شام کھانے کو ترستے ہیں اور حکومتی بیان آتا ہے کہ ملک میں اتنے موبائل فون عام ہیں اتنے موٹر سائیکل ملک میں چل رہے ہیں یہی ترقی کی نشانیاں ہیں موبائل فون ترقی کی دلیل نہیں لوگوں کو ان کے حقوق کا ملنا ترقی کی دلیل ہے انہیں انصاف ملنا ترقی کی دلیل ہے ان کا فارغ البال ہونا ترقی کی دلیل ہے۔ اور جب حقیقت یہ ہے کہ امیروں کے بچوں کو سکول پہنچانے والے ملازموں کے بچے سکول جانے سے محروم ہوں یا علاج معالجے سے محروم ہوں کھانے پینے سے تنگ ہوں تو موبائل فون گردش کرتے نظر آرہے ہوں تو کیا یہ خوشحالی ہے! ہاں اُسے خوشحال ضرور کہہ سکتے ہیں جس کے پاس گاڑی سرکاری ہو ڈرائیور بھی سرکاری پٹرول بھی سرکار سے مل رہا ہو بنگلہ بھی سرکاری گھر میں استعمال کا سامان بھی سرکاری اور ملازم وراشن بھی سرکاری ہو تو اس کے خوشحال ہونے میں تو کوئی شک نہیں لیکن عوام میں کتنی کثیر تعداد انکی ہے جنہیں یہ ساری ضرورتیں اپنی آمدنی سے اپنی مزدوری سے اپنی ملازمت سے کما کر خریدنا پڑتی ہیں اور کتنے ہزاروں ایسے ہیں جو سارا دن چوک میں بیٹھ کر شام کو خالی ہاتھ گھر چلے جاتے ہیں انہیں اس دن مزدوری ہی نہیں ملتی اور کبھی مزدوری کے لئے جاتے ہیں اور شام کو ان کی میت گھر پہنچتی ہے مزدوری تو کیا ملتی ناروا قتل ہو جاتے ہیں بعض کی میت گھر آجاتی ہے کچھ کی تو لاش بھی نہیں ملتی۔ کچھ ملازمت پیشہ ایسے ہیں کہ پورا مہینہ صبح سے شام تک ملازمت کرتے ہیں اور بچوں کی فیس دینے کے قابل بھی نہیں۔ اُن کے بچے ورک شاپوں پر محنت کرتے ہیں چھوٹے چھوٹے بچے گاڑیوں کے شیشے صاف کرتے ہیں کیا حکومتی بیان اور حقیقی بدحالی کے مناظر ہمیں اپنے اردگرد نظر نہیں آتے۔ حکومت دعویٰ کرتی ہے کہ سرکاری سکولوں میں اب کتابیں بھی مفت فراہم کی جائیں گی تو لوگ سرکاری سکولوں میں کیوں نہیں پڑھاتے اس لئے نہیں پڑھاتے کہ وہاں پڑھائی ہوتی نہیں۔ صرف ڈنڈے کھا کھا کر زندگیاں ضائع ہو جاتی ہیں اگر سرکاری سکولوں میں تعلیم ہوتی تو کوئی پرائیویٹ سکول نظر نہ آتا۔ ایک ایک گاؤں میں چھ چھ پرائیویٹ سکول کیوں چل رہے ہیں اس کا مطلب ہے سرکاری سکول میں محکمہ تعلیم کا نظام نہیں چل رہا وہاں محکمہ تعلیم کام نہیں کر رہا ہے اور اگر سرکاری سکول کام نہیں کر رہے تو کون سی خوشحالی آگئی۔ زندگی بچانے والی دوائیں جو بے حد مہنگی بھی ہوتی ہیں وہ خرید کر لائیں تو نقلی نکلتی ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔ غریب نے کس طرح پندرہ سو خرچ کر کے ٹیکے خریدا اور وہ بھی نقلی ملا۔ عوام کے لئے کیسی خوشحالی ہے۔

پچھلے دنوں فوجی فاؤنڈیشن کی گاڑی ''نور پور'' گاؤں آئی اور لوگوں میں مفت دوا تقسیم کر گئی کتنا اچھا کام ہوا کہ غریبوں کو مفت دوا مل گئی۔ دوا کھائے ہفتہ نہیں گزرا اور کسی کو خارش لاحق ہو گئی کسی کو پھوڑے پھنسی نکل آئے اب وہ غریب پھر ہسپتالوں کیطرف دوڑے اس کی وجہ یہ نکلی کہ انہوں نے غرباء میں وہ دوا تقسیم کی جس کی معیاد ختم ہو چکی تھی اس سے کھانسی تو کیا ٹھیک ہوتی خارش نفع میں مل گئی یہی خوشحالی ہے جو غریب کو تقسیم ہو رہی ہے۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا ہم پر غیر ملکی حاکم ہیں یا یہ افسر اور یہ ڈاکٹر اور ان کا عملہ ہم میں سے نہیں ہے کسی اور جگہ سے آ کر یہاں رہائش پذیر ہیں درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں جو کافر کی بات مانتے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی بات نہیں مانتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو صحت کے لئے جاتا ہے بیماری لے کر آتا ہے جو علم کے لئے جاتا ہے جہالت لے آتا ہے جو انصاف کے لئے جاتا ہے اُسے انصاف نہیں تاریخ ملتی ہے تین تین نسلوں تک تاریخ پر تاریخ پڑتی رہتی ہے اور اگر اس کا مطالبہ دس ہزار کا تھا تو اس کی زمین بک کر مقدموں پر خرچ ہو جاتی ہے اور تاریخ پر تاریخ پڑتی جاتی ہے لیکن وہ دس ہزار اُسے نہیں ملتے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں تم کافروں کے ظاہری اسباب سے مرعوب ہو کر ان کے پیچھے نہ چلو اُن سے خوف کھانا مسلمان کا شیوہ ہی نہیں۔

سلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطٰناً o مومنو! میں کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دوں گا اس لئے کہ وہ تو میری ذات کیساتھ شرک کرتے ہیں بلا دلیل شرک کرتے ہیں اور انجام کار جہنم کیطرف بڑھ رہے ہیں۔ مشرک کا بھروسہ اللہ پر نہیں ہوتا اس لئے وہ بنیادی طور پر خوفزدہ ہوتا ہے مومن کی طاقت اللہ پر بھروسہ ہے اس لئے ان کے دلوں میں مسلمان کا رعب ہوتا ہے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہ تمہیں کیا تباہ کریں گے وہ تو تمہاری پرچھائیں سے بھی ڈرتے ہیں۔ آخرت حقیقت ہے آخرت ابدی ہے آخرت کا سایہ دنیا پر چھایا رہتا ہے جو کفر کرتا ہے اس پر ایک انجانا سا خوف طاری رہتا ہے یہ ان کے ابدی ٹھکانے جہنم کا خوف ہے۔ اس انجانے خوف کو مغرب کے معاشرے میں جا بجا دیکھا جا سکتا ہے انکی زبان میں اُسے Fear of the Unknown کہتے ہیں وہ نفسیاتی معالجوں کے پاس علاج اور ادویات کے لئے جاتے ہیں پوچھو کہ کس چیز کا ڈر ہے کیا چور ڈاکو کا ڈر ہے؟ کسی دشمن کا ڈر ہے؟ انہیں نہیں پتہ کس چیز کا ڈر ہے ایک انجانا خوف ہے یہ وہ عذاب الٰہی ہے کہ بندہ دوزخ کیطرف بڑھ رہا ہے اور جہنم کا خوف اس کی زندگی پر چھایا رہتا ہے سو تمہیں کافروں سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے ایک تو اللہ تمہارا ولی ہے دوست ہے سب سے اچھا مددگار ہے اور کافروں کے دل میں تمہارا رعب ڈالتا ہے اس لئے کہ وہ مشرک ہیں اُن کی اللہ سے بگڑی ہوئی ہے انہوں نے اللہ سے دشمنی کر رکھی ہے وہ تو ویسے ہی کانپتے رہیں گے **وما وٰھم النار وبئس مثوی الظٰلمین o** اُن کا انجام تو جہنم ہے جہنم کا سایہ اُن پر اثر انداز رہے گا اور ظالموں کے لئے بہت ہی بُری جگہ ہے۔

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

امیر المکرّم کے بیانات ''ٹی وی چینل'' پر

الحمدللہ امیر المکرّم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کے پنجابی کے تفسیر قرآن کے بیانات ''اپنا'' ٹی وی چینل (پنجابی) پر باقاعدگی کے ساتھ ٹیلی کاسٹ ہونا شروع ہو گئے ہیں بیانات صبح 6:45 پر نشر ہو رہے ہیں۔ تمام ساتھیوں سے گزارش ہے کہ بیانات باقاعدگی کے ساتھ سنیں اور دیگر دوست احباب کو بھی مطلع کریں۔

رحمت اللہ ملک 6 مزنگ روڈ لاہور فون نمبر 042-7310974 موبائل 0333-4363022

E-mail- ra

دعا اور دعا کا سلیقہ

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 06-08-2007

الحمدللہ رب العلمینo

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وَالہٖ

واصحابہٖ اجمعینo

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیمo

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیمo

قال النبی ﷺ الدعآء مخ العبادہ

او کماقال رسول اللہ ﷺ

اللھم سبحنک لا علملنا الا ما علمتنا اِنَکَ

انت العلیمُ الحکیم

مَولایَ صَلِ وَسَلِمْ دَائِماً اَبداً

عَلٰی حَبِیبکَ مَنْ زانت بِہٖ العُصُروا

ہر کام ابتداً کسی اعلیٰ مقصد کے لئے کیا جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ وہ مقصد نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور لوگ آسان راستے تلاش کر لیتے ہیں یوں اچھا کام بھی رسم میں بدل جاتا ہے یہ وہ مرض ہے جس نے امت مرحومہ کو حکمرانی کی بلندیوں سے اٹھا کر غلامی کی پستیوں میں ڈال دیا۔ مسلمان کا وصف تو یہ تھا ''جہاں گیرو جہاں دار و جہاں بان و جہاں آراء لیکن پھر وہ نام کے مسلمان ہونے کے باوجود کردار کے مسلمان نہ رہے اس وقت روئے زمین پر پچپن چھپن ریاستیں ہیں جو کہنے کو مسلمان حکومتیں ہیں لیکن وہ مغربی آقاؤں کی غلام ہیں حکمرانوں کے ذاتی مفادات نے انہیں اُن کا غلام بنا رکھا ہے اور جہاں حکومتیں اور حکمران غلام ہوں وہاں عوام کا حال غلاموں سے بدتر ہوتا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے عمل چھوڑ کر دعا کرنے کا ایک آسان راستہ اختیار کر لیا ہے یعنی کام نہیں کیا اور بس دعا کر لی۔

اسلام میں دعا کی بہت اہمیت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا دعا عبادت کا مغز ہے گویا دعا حاصل عبادت ہے آپ ﷺ کا یہ فرمان دعا کی عظمت اور اس کے مقام کو ظاہر کرتا ہے لیکن ہر عمل کا اپنا مقام ہے اور اپنا سلیقہ، کسی بھی عمل کے کچھ مبادیات ہوتے ہیں جو پہلے کرنے پڑتے ہیں پھر اصل کام کیا جاتا ہے اور پھر اس کے نتائج نکلتے ہیں دعا بھی ایک نہایت عظیم عمل ہے اس کے بھی چند مبادیات ہیں جو پہلے کرنا ضروری ہیں جس طرح کوئی بھی عمارت ایسی بنتی نظر نہیں آتی جس کی کوئی بنیاد نہ ہو اور اس کی دوسری یا تیسری منزل بن جائے طریقہ یہی ہے کہ پہلے بنیادیں بنائی جائیں پھر پہلی منزل ہے ورنہ باقی کی منزلیں نہ بن سکیں گی۔ جس طرح نماز کے لئے وضو قبلہ رخ، کپڑوں اور بدن وجگہ کا پاک ہونا ضروری ہے کہ ان مبادیات کے بغیر نماز ادا نہ ہوگی اور اگر انہی چیزوں کو فالتو کہہ کر چھوڑ دیا جائے اور صرف نماز پڑھ لی جائے تو کیا ہوگا؟ نماز ادا نہیں ہوگی اور بے وضو سجدے کرنے کا جرم سر پر سوار ہو جائے گا۔ اسی طرح دعا کے بھی کچھ بنیادی تقاضے ہیں اگر وہ پورے نہ کئے جائیں تو دعا گستاخی بن جاتی ہے نبی کریم ﷺ نے دعا کا طریقہ سکھایا ہے وہ یہ ہے کہ جتنے اسباب ظاہری ممکن ہوں انہیں اختیار کیا جائے اور ممکن حد تک ان اعمال میں

محنت کی جائے اور پھر کامیابی کے لئے اللہ کریم سے دعا کی جائے کہ جو محنت ومجاہدہ وہ کرسکتا تھا اس نے کرلیا تو اب اللہ کریم اس کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس پر بہتر نتیجہ مرتب فرمائے۔ اسکی مثال معرکہ بدر ہے یہ پہلا معرکہ حق وباطل بدر میں بپا ہوا اور نوع انسانی کی پوری تاریخ میں ایک بہت بڑے انقلاب کی بنیاد بنا اتنا بڑا انقلاب تھا جسے چودہ صدیاں بھی پرانا نہیں کرسکیں۔ اسکے اثرات نہایت دوررس ہیں اس میں آج بھی وہی تازگی ہے' دم خم ہے اور اسی وقت سے وہ اپنا کام کررہا ہے۔ اس میں اسلام کے مقابل جو لشکر آیا اس میں مکہ مکرمہ کے چنے ہوئے جنگجو اور سپہ سالار' ایک ہزار کا لشکر جرار' اسلحے سے لیس' ہر طرح کے سامان سے آراستہ' متعدد اعلیٰ سواریوں اور وافر راشن کے ساتھ موجود تھا اور مسلمانوں کے پاس ان تمام چیزوں میں سے اسباب ظاہری قلیل بلکہ اقل تھے اور بدر کی فتح حضور ﷺ کی دعا کی وجہ سے ہوئی تو اگر صرف دعا ہی کرنا تھی تو نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں اپنے حجرہ مبارکہ میں کہیں پر بھی دعا فرما سکتے تھے۔ آپ ﷺ دعا فرما دیتے تو کفار کو زمین نگل جاتی یا آسمان کھول کر اللہ اُن پر مصیبت نازل کردیتا اُن کا لشکر تباہ ہو جاتا۔ میدان بدر میں بھی مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتے نازل ہوئے فرشتوں نے کفار کو قتل کیا اور قید کیا تو وہی فرشتے مدینہ منورہ میں بھی یہی کام کرسکتے تھے لیکن حضور نبی کریم ﷺ نے جنگ کی تیاری فرمائی تمام اسباب ظاہری کو ممکن حد تک جمع فرمایا جو نہ ہونے کے برابر تھا جیسا کہ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آٹھ تلواریں' چھ گھوڑے قلیل راشن اسلحہ تو کجا لباس پورا نہ تھا کل تین سو تیرہ افراد میں سے چند جوان باقی عمر رسیدہ اور نوعمر تھے۔ آپ ﷺ نے انہی میں سے اصحاب منتخب فرمائے میدان بدر میں پہنچ کر مسلمانوں کے لئے بہترین جگہ منتخب فرمائی۔ پانی کے چشمہ پر قبضہ فرمایا' لشکر کو ترتیب دیا' عمر' لباس اور قد وقامت کے لحاظ سے لوگ کھڑے کئے' پہلی صف میں کون کھڑے ہوں گے پچھلی صف میں کون ہوں گے کون کس طرح سے حملہ کرے گا' کس طرح جوابی کارروائی ہوگی یوں پورے لشکر کو نظم وضبط میں پرو کر پھر عریش بدر میں جلوہ افروز ہوئے۔ گھاس اور لکڑیوں سے بنائی گئی ایک جھونپڑی تھی جو ایک بلند مقام پر لشکر کی نگرانی کے لئے بنائی گئی تھی۔ وہاں حضور ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ مبارک اٹھائے۔ یعنی دعا کا سلیقہ یہ ہے کہ تمام اسباب ظاہری ممکن حد تک اختیار کئے جائیں اس کام کے لئے اپنی بہترین کوششیں صرف کی جائیں اور پھر کامیابی کے لئے اللہ سے دعا کی جائے کہ بارالٰہا جو میرے بس میں تھا میں نے کردیا اس سے آگے تیرا کام ہے میری کوشش کو قبول فرما اس پر بہتر نتیجہ مرتب فرما یہ سلیقہ دعا ہے۔ اور اگر آدمی کچھ حرکت نہ کرے نہ کوشش کرے اور صرف اس کام کے لئے دعا کرتا رہے تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے دانے سے آٹا تو نہ بنایا ہو نہ گوندھا ہو نہ روٹی بنائی ہو غلہ جہاں ہے وہیں کا وہیں دھرا رہے اور وہ دعا کررہا ہو اے اللہ میرا پیٹ بھر جائے میری صحت بھی ٹھیک ہو جائے تو یہ دعا تو گستاخی تصور ہوگی کہ اللہ نے جو اسباب ووسائل دیئے تھے بندہ انہیں اختیار غلہ پیستا' آٹا گوندھنا' روٹی بنانا' کھانا اور پھر دعا کرنا یا اللہ اس روکھی سوکھی روٹی سے مجھے قوت عطا فرما کام کرنے کی طاقت عطا فرما' صحت عطا فرما تاکہ میں کام کرسکوں لیکن جو اس کے ذمے تھا وہ اس نے کیا نہیں اور دعا کررہا ہے تو پھر دعا سے کیا ہوگا؟ جس کھیت کا مالک نہ کھیت میں ہل چلائے نہ بیج ڈالے نہ محنت ونگہداشت کرے اور کھیت میں بیٹھا دعا کرتا رہے کہ فصل اچھی ہو جائے تو پھر دیکھنے والا ایسے شخص کو بے عقل وبے شعور ہی کہے گا کہ بیٹھا وقت ضائع کررہا ہے اسے کچھ حاصل نہ ہوگا اور عنداللہ یہ گستاخی ہوگی کہ یہ تو اس کے ذمے تھا کہ وہ محنت کرتا جس کے لئے اُسے شعور

دیا' عقل دی' ہاتھ پاؤں دیئے' صحت وتوفیق دی اب اس کے ذمے تھا کہ وہ کھیتی جوتتا' اُسے پانی دیتا' اس میں بیج ڈالتا۔ اسکی نگہداشت کرتا' کھاد ڈالتا اور دعا کرتا کہ اللہ کریم جو میرے ذمے تھا میں نے کر دیا اسے بارآور کر کے اچھی فصل دینا تیرا کام ہے۔ لیکن کچھ نہ کر کے دعا کرنا گستاخی ہے اور یہ ایک جرم ہے جو ہم بحیثیت قوم کر رہے ہیں' اس وقت روئے زمین پر دوسو کروڑ یا دو ارب کے قریب مسلمانوں کی آبادی ہے عددی اعتبار سے کسی دوسرے مذہب کے پیرو کار مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ دنیا کی آبادی اگر چھ ارب ہے تو اس میں دو ارب مسلمان ہیں اور چار ارب میں دنیا کے ایک سو بائیس مذاہب کے پیروکار ہیں یوں عددی اعتبار سے مسلمان ایک بڑی قوت ہیں۔ دنیاوی اعتبار سے دیکھا جائے تو انسانی زندگی کے وسائل میں سے اسی فیصد مسلمانوں کے پاس ہیں اگرچہ مغربی شمار کنندگان بیالیس فیصد شمار کرتے ہیں لیکن میری رائے میں وہ بددیانتی کرتے ہیں اور کم بتاتے ہیں' میں انہیں اسی فیصد اس لئے کہتا ہوں کہ دنیا کے نقشے کو پھیلا کر دیکھیں تو جنوب میں جہاں مسلمانوں کی سلطنتیں ختم ہو جاتی ہیں وہاں سے نیچے کا علاقہ اکثر برف سے ڈھکا رہتا ہے۔ شمال میں بھی اکثر ممالک کا یہی حال ہے دنیا کے بہترین پانیوں کی بندرگاہوں کی اکثریت مسلمانوں کے پاس ہے دنیا کے بہترین میدانوں اور وادیوں کی اکثریت بھی مسلمانوں کے پاس ہے۔ بہترین پھل دار درخت دودھ اور گوشت مہیا کرنے والے جانور باربرداری اور دیگر کاموں میں استعمال ہونے والے جانور' اجناس' اور خوردنی تیل دار اجناس کی اکثریت مسلمانوں کے پاس ہے بہترین زیرزمین خزانے ہیرے جواہرات' تیل اور گیس کوئلے اور سونے کی کانیں چاندی اور دیگر معدنیات کے ذخائر رکھنے والی زمینیں اور رقبے سب مسلمانوں کے پاس ہیں۔ لیکن مسلمان صنعت وحرفت میں اتنے کمزور ہیں کہ انہی کے ممالک سے انہی کی زمینوں سے وہ خام مال نکال کر لے جاتے ہیں اُسے قابل استعمال بنا کر مسلمانوں ہی کو بیچتے ہیں یہ اسی جرم کا نتیجہ ہے کہ اللہ نے اسقدر نعمتیں دیں اور مسلمان نے محنت سے جان چھڑا کر دعاؤں پر تکیہ کر لیا۔ اس وقت عالم اسلام میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک وہ جو دعا سے منکر ہو چکے ہیں انہیں اغیار کی طرح سوچنا ان کی طرح جینا انکی طرح رہنا پسند ہے نام ان کے مسلمانوں کے ہیں لیکن عملی زندگی میں اسلام کو کہیں دخل نہیں دوسرے وہ ہیں جو عبادات پر محنت کرتے ہیں مسلمانوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں لیکن اسباب اختیار نہیں کرتے عمل سے جی چراتے ہیں بس دعا کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں سارا کام اللہ ہی کرے گا۔ اور بہت کم وہ لوگ ہیں جو عمل اور دعا کے رشتے کو سمجھ کر محنت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دین کی سربلندی دین پر عمل کرنے والوں کی سربلندی سے وابستہ ہے اور یہ کہ مسلمانوں پر اغیار کی حکومت کی وجہ سے ہی عملی زندگی میں اسلام کا نہ ہونا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب قوموں کو غلام بنانے کے لئے دوسری اقوام اُن پر چڑھ دوڑتی تھیں ان کی زمینوں پر قبضہ کیا جاتا انکے وسائل زبردستی چھینے جاتے انہیں بے اختیار کر کے غلام بنایا جاتا۔ اب زمانہ بدل گیا ہے عہد حاضرہ میں یہ کام تعلیم وتحقیق اور ٹیکنالوجی میں سبقت حاصل کر کے کیا جاتا ہے اپنے ملک میں بیٹھ کر دوسرے ممالک کے وسائل لے لئے جاتے ہیں اور انہیں اپنی شرائط ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے ان کے علاقے پر قبضہ اس کے لئے ضروری نہیں۔ ان ممالک کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنے صدر اور وزیراعظم بنائے رکھیں۔ اسمبلیاں اور حکومت بھی ان کی ہو لیکن انہیں کرنا وہی پڑے جو انہیں کہا جائے اور یوں اقوام اسی خوش فہمی میں مبتلا رہیں کہ وہ آزاد ہیں اور غلامی میں بھی جتی رہیں۔ عالم اسلام آج کل ایسے ہی غلامی میں جتا ہوا ہے اس کا ایک

سبب تو وہ حضرات ہیں جو دین سے دور ہو کر غلامی کے عادی اور خوگر ہو گئے اور زیادہ بڑا سبب قوم کا وہ بے عمل حصہ ہے جو مسلمانی کو اپنائے ہوئے ہے لیکن عملی زندگی سے کٹ کر صرف دعا پر جی رہا ہے۔

ہم جو چند سو بندے یہاں بیٹھے ہیں ہم دوارب مسلمانوں کا کتنا حصہ ہیں لیکن ہم چھوٹی سی ایک کوشش کر رہے ہیں آپ کا جو وقت میں لے رہا ہوں یا یہ محفلیں لے رہی ہیں اس میں آپ کو عظمت الٰہی سے آشنا کیا جائے آپکے دل میں ایک درد اور احساس پیدا کیا جائے ایک تعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ مضبوط کیا جائے تا کہ آپ میدان عمل میں جا کر بہترین کارکردگی دکھائیں اگر آپ تعلیم و تعلم سے وابستہ ہیں تو بچوں کو ایسی مثالی تعلیم دیں کہ ان کی زندگیاں بہترین بنیں کسی دفتر یا ادارے میں ہیں تو وہاں مثالی کام کر کے اس ادارے کو کامیاب کریں جہاں سے تنخواہ لیتے ہیں۔ کاشتکار ہیں تو اپنی بہترین محنت صرف کریں فوج میں ہیں تو جان پر کھیل کر اپنا فرض نبھائیں یعنی عظمت الٰہی سے آشنائی وہ قوت ہے جس سے بندہ ہر شعبے میں مثالی کردار کا حامل ہو جاتا ہے یہی مسلمان کی شان ہے لیکن اب یہاں بھی ایک فضا بنتی جا رہی ہے کہ گھوم پھیر کر اسے بھی دعا پر لے آئیں۔ بارہ اگست کو اجتماع ختم ہوگا آج چھ ہے اور کل سے فون آنا شروع ہو گئے ہیں کہ میں تو آ نہ سکوں گا دعا میں مجھے شامل کیجئے گا میں نے کہا ہے کہ مجھے سینکڑوں فون آتے ہیں میں بارہ تاریخ تک آپ کی بات یاد نہیں رکھ سکوں گا دوسری بات یہ ہے کہ دعا ہمارے لئے رسم بن گئی ہے دعا آب حیات ہے اب افیون بنتی جا رہی ہے جب آپ یہاں آ نہیں سکتے رہ نہیں سکتے بات سن نہیں سکتے ذکر نہیں کر سکتے تو پھر دعا میں شمولیت کیسی؟ دعا تو اُن کے لئے ہوگی جن لوگوں نے محنت کی اللہ نے انہیں یہ شعور دیا کہ وہ اس کے مقصد کو سمجھنے اللہ سے آشنائی کی طلب لیکر آئے اگر محنت تھوڑی کی تو اللہ سے دعا ہوگی کہ انہیں زیادہ اجر عطا فرما انکے قلوب کو اپنی یاد سے آباد کر وہ قوت کار عطا کر نہ صرف اپنی آبرو کے محافظ بنیں بلکہ اسلام کی آبرو کے محافظ بنیں۔ اسلام اللہ کا دین ہے۔ اسلام حاکم ہو کر رہتا ہے محکوم ہو کر نہیں رہتا دین پر عمل کر کے اس کی سربلندی کا باعث بنیں ان کی وجہ سے اسلام کو وہ عظمت نصیب ہو کر وہ حاکم ہو۔

یہ دعا تو سمجھ میں آتی ہے لیکن یہ دعا کون کرے کہ اے اللہ تیرے ایک بندے کے پاس فرصت نہیں کہ وہ سیکھنے کے لئے آئے نہ اس کے پاس فرصت ہے کہ وہ تیری باتیں سنے سجدہ کرے ذکر کرے لیکن تو اُسے یہ سب کچھ وہاں پہنچا دے۔ یہ دعا میری سمجھ میں نہیں آتی نہ اس کا مقصد نہ اس کا حاصل۔ لہذا یہ ادارہ نہ رسمی رواجی ہے نہ یہاں رسمی دعا ہوگی نہ یہاں خصوصی دعا ہوگی۔ اگرچہ لوگوں کا ایک وطیرہ بن گیا ہے کہ عملی زندگی میں امانت و دیانت فرائض کی ادائیگی سے صرف نظر کر کے اپنی دانست میں نیک کام کرنے گھروں سے نکل پڑتے ہیں گھروں کو آوارہ چھوڑ دیں گے بیوی بچوں کو خرچہ نہیں دیں گے کہاں جا رہے ہیں؟ دین کے کام کے لئے محنت کرنے جا رہے ہیں۔ بیوی بچوں کو کون سنبھالے گا؟ کہتے ہیں اللہ وارث ہے۔ حالانکہ شادی خود کی بچے اپنے ہیں انکی تعلیم و تربیت نہیں ہوگی تو وہ آوارہ ہو جائیں گے بیوی اکیلی رہے گی اسکی جان مال و آبرو کی حفاظت کون کرے گا۔ اللہ اتنا مجبور نہیں کہ آپ اپنے فرائض چھوڑ کر اللہ کا کام کرنے نکل پڑے۔ پھر وہاں رو رو کر دعائیں کریں گے۔ اللہ کے نظام کے خلاف کام کریں اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف دعا کریں تو کیا ہوگا؟ اللہ کسی کے مشورے پر کائنات نہیں چلاتا وہ اپنی مرضی سے چلا رہا ہے اور چلاتا رہے گا ہم اسے اپنی دعاؤں میں مشورے نہ دیں اس کا حکم مان کر اسکے فضل کی درخواست کریں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا الحکمتہُ ضالتہُ مومن حکمت ودانائی کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں سے بھی ملے حاصل کرلو۔ یہ تمہارا حصہ ہے اس میں جدید سائنس ٹیکنالوجی تحقیق سے علمی یا عملی کام ہے۔ دنیا میں جہاں بھی ہے اُسے حاصل کرو اس لئے کہ حکمت ودانائی مسلمان کی وراثت ہے۔ ایک زمانہ تھا جب اقوام عالم وحشی اور انسانی اقدار سے بے بہرہ تھیں اس وقت مسلمان ایجادات کر رہے تھے جب پیرس کی گلیوں میں اتنا کیچڑ تھا کہ گھٹنوں تک انسان اس میں دھنس جاتا تھا تب بغداد کی سڑکیں پختہ تھیں ہر سڑک روشن تھی پانی اور سیوریج کا بہترین نظام تھا تعلیم وتحقیق کا عروج تھا آج اہل مغرب کی جدید ٹیکنالوجی کی بنیاد مسلمانوں کی تحقیق اور انکی ایجادات پر جدید ایجادات کا کام آگے بڑھایا گیا ہے اور ہم مسلمان گذشتہ پانچ چھ سو سال سے میدان عمل چھوڑ کر ایک گوشے میں دعائیں لے کر بیٹھ گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ اقوام دنیاوی اور جدید علوم میں آگے نکل گئیں وہ حکمران بن گئے ہم غلام ہو گئے غلام کیلئے عقیدہ اور مذہب بھی محفوظ رکھنا محال ہو جاتا ہے غلامی ایسی مجبوری ہے کہ بندہ ایمان کی حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔ عبادات چھوڑ جانا تو ایک عام سی بات ہے عقائد ونظریات تک چھوٹ جاتے ہیں۔ جب دنیاوی اعتبار سے ہم محکوم وغلام ہوئے تو دین کا دامن بھی ہمارے ہاتھ سے سرکنا شروع ہو گیا۔

ہم یہاں بیٹھے مسلمان کو مسلمانی کی شان دینے کی کوشش کر رہے ہیں اگر اسے بھی رسمی دعا کے غلاف چڑھانے شروع کر دیے تو اس کا مقصد بھی فوت ہو جائے گا ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ چند ہزار گوشہ نشین پیدا کر دیئے جائیں جو صبح شام کچھ نہ کریں کھائیں پئیں عبادات کریں اور سوتے رہیں۔ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ ہم اس دو سو کروڑ یا دو ارب کی آبادی کو اگر دو سو بندہ بھی دے سکیں تو وہ بندہ دیں جو جس شعبے میں ہو وہاں پوری طرح باعمل ہو تعلیم کے شعبے میں علمی تحقیقات سامنے لائے سائنس میں تحقیق کرے ہر شعبہ زندگی میں نئے نئے طریقوں سے عالم انسانی کو مستفید کرے اور اس کا اپنے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے تعلق مثالی ہو۔ اگر ہم نے دس بیس ہزار ایسے افراد تیار کر لئے اور اُن میں سے ہر ایک اپنے ساتھ ایک ایک فرد شامل کر لے تو کچھ عرصے میں وہ بیس سے چالیس ہزار ہو جائیں گے اور یوں بڑھتے بڑھتے وہ قوت بنیں گے جو دین کی خدمت بھی کرے اللہ کی مخلوق کو عدل بھی مہیا کرے اور دین کی سربلندی کا سبب بنے۔ یاد رکھیں! دین کی سربلندی دین پر عمل کرنے والوں کی سربلندی سے وابستہ ہے جو لوگ دین سے وابستہ ہیں اگر وہ اپنے اعمال کے باعث رسوا ہوں گے یا اغیار کی محکومی میں چلے جائیں گے تو دین کی عزت کہاں ہوگی۔ دنیا میں مقام حاصل کرنے کے لئے دیکھنا پڑتا ہے کہ آپ دنیا کو کیا دے رہے ہیں بلکہ زندگی کا نظام ہی اس بات پر استوار ہے کہ دوسروں کو کیا دیا جا رہا ہے صرف لیتے رہنے سے نظام زندگی نہیں چلتا۔ سورج طلوع ہوتا ہے تو اس لئے نہیں کہ وہ زمین سے کیا لے رہا ہے بلکہ اس لئے کہ وہ زمین کو کیا دے رہا ہے۔ روشنی' حرارت' تپش دے رہا ہے جس سے زیر زمین بیج پھوٹ رہے ہیں نباتات کی حیات بن رہی ہیں۔ زمین پر روئیدگی آ رہی ہے انسانوں اور جانوروں کے کام آ رہی ہے بخارات اور بادل بن رہے ہیں غرض دیئے جانے کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے یوں ہی انسان اپنے وجود کو دیکھ لے دل خون پمپ کرتا رہتا ہے ہر عضو بدن تک پہنچاتا ہے اگر ہاتھ یا پاؤں یا کوئی بھی عضو اس خون کو ایک جگہ روک لے کہ آگے نہیں جانے دوں گا تو کیا ہوگا! خود اس حصے کو بھی نقصان ہوگا اور باقی تمام اعضاء بے کار ہو جائیں گے تو دینی اور قومی اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ ہم سمجھیں کہ ہم ملک وقوم کو انسانیت کو کیا دے رہے ہیں۔ ہم

سے اللہ کی مخلوق کو کیا مل رہا ہے۔ اگر ہم ساری زندگی لینے پر ہی رہیں گے کہ مجھے ملتا رہے تو پھر کسی کو بھی کچھ نہیں ملے گا بلکہ زندگی جیسی قیمتی دولت کو ضائع کرنے کا جرم اپنے سر لینا پڑے گا اور اللہ کریم کے سامنے جواب دینا پڑے گا کہ اس نے اتنی قوت اور اتنی مہلت دی اس کا استعمال کہاں کیا؟

میں چاہتا ہوں کہ اس کوشش کو رسومات کی نذر نہ ہونے دیا جائے یہ بات بڑی واضح ہے کہ جو شخص عملاً کچھ عمل نہیں کرتا اس کے لئے کوئی بھی دعا کارگر نہیں ہوتی دعا کا قاعدہ ہے ضابطہ ہے جو محنت کرتا ہے اس کا حق بنتا ہے کہ وہ دعا کرے اے اللہ میں عاجز ہوں میری محنت میں بھی کمی ہے شاید میرے خلوص میں بھی کمی ہوگی لیکن جو کچھ مجھ سے بن پڑا وہ میں نے کیا یہ بھی تیری دی ہوئی توفیق تھی اس پر نتائج مرتب کرنا تیرا کام ہے۔ دعا بہترین عمل ہے کہ بندہ براہ راست اللہ سے گزارشات عرض کرتا ہے اور دعا کرتے ہوئے وہ اپنے رب کا بہت قرب پاتا ہے لیکن دعا کرنا کسی عمارت کی دوسری منزل کی طرح ہے اس کے لئے پہلی منزل اور بنیاد ہونا ضروری ہے عمل کرنا بنیاد ہے ہوا میں تعمیر نہیں ہوتی۔ ہر کام کا ایک سلیقہ ہوتا ہے اگر بندوق کو الٹا پکڑ کر فائر کریں گے تو گولی خود کو لگے گی اب کوئی کہے کہ اس نے بندوق بھی پکڑی فائر بھی کیا تو اسے سمجھنا پڑے گا کہ بندوق کو درست پکڑنا اس کا رخ دشمن کی طرف ہونا یہ سب اس عمل کے مبادیات تھے اسی طرح یہ اجتماع اور اجتماع کی حاضری محض دعاؤں کے لئے نہیں ہے یہاں دعا کروانے نہیں دعا کا سلیقہ سیکھنے آئیں۔ یہ عملی تربیت کی جگہ ہے اپنی مقدور بھر محنت کریں دین کو سمجھیں امور دنیا پورے پورے انجام دیں اور ایک بنیادی بات ہر ساتھی ذہن میں رکھ لے کر زندگی کا کارواں دینے پہ چلتا ہے ہر ایک یہ دیکھے کہ اس نے دنیا کو کیا دیا۔ آنے والی نسلوں کو موجودہ دور کے انسانوں کو ملک وقوم کو اپنے ساتھ رہنے والے لوگوں کو وہ کیا دے سکا۔ اور سارا مجاہدہ کرنے کے بعد دعا بھی کریں کہ اللہ اس پر بہترین نتائج مرتب فرمائے۔ میری گزارش ہے کہ اس اجتماع، محنت اور مجاہدے کا محور یہ تربیت حاصل کرنا ہو اس حاضری سے کچھ سیکھا جائے حاصل کیا جائے اُسے رواجات کی نذر نہ کیا جائے۔ ☆☆☆

اِنا للہ وانا الیہ راجعون

درج ذیل احباب اور انکے عزیز واقارب دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔

☆.....فیصل آباد کے ساتھی گوہر لطیف اویسی کی والدہ۔
☆.....تنظیم الاخوان (لاہور) کے امیر چوہدری محمد صدیق۔
☆.....لاہور (ٹاؤن شپ) کے ساتھی محمد خالد۔
☆.....لاہور (اویسیہ سوسائٹی) کے ساتھی رانا محمد ظفر اللہ کے سُسر۔
☆.....لاہور کے صاحب مجاز میاں محمد رشید کے بڑے بھائی۔
☆.....گوجرہ کے ساتھی ماسٹر محمد اقبال کی والدہ۔
☆.....گوجرہ کے ساتھی ڈاکٹر صفدر کے بڑے بھائی۔
☆.....گوجرہ (قادر آباد) کے ساتھی نور حسین۔
☆.....سمندری ضلع فیصل آباد کے ساتھی محمد طاحق لطیف کی والدہ
☆.....لاہور (اچھرہ) کے ساتھی محمد امتیاز کی والدہ۔
☆.....جہلم کے ساتھی صوبیدار میجر محمد انور۔
☆.....سرگودھا کے ساتھی ملک سکندر خان
☆.....راولپنڈی کے ساتھی حکیم محمد ارشد
☆.....چکوال کے ساتھی ماسٹر شیر خان
☆.....راولپنڈی کے ساتھی محمد آصف
☆.....لاہور کے ساتھی محمد شریف کی ساس
☆.....کوئٹہ کے ساتھی حاجی فخر عالم
☆.....کوئٹہ کے ساتھی سید ظفر اللہ
☆.....نوشہرہ (سرحد) کے ساتھی حاجی عبدالقدوس
☆.....نوشہرہ کے صاحب مجاز ساتھی عبداللہ جان صدیقی کی خوشدامن
☆.....منڈی بہاؤالدین کے ساتھی حکیم غلام رسول بھٹہ کی اہلیہ
☆.....بورے والا کے ساتھی حاجی محمد سلیم کے بھائی اور بھانجا
☆.....ملتان کے صاحب مجاز ساتھی ملک محمد قاسم اعوان
☆.....ملتان کے ساتھی اختر علی ملک کے چچا اور چچی
☆.....گوجرانوالہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ڈاکٹر مقبول انجم۔
☆.....سیالکوٹ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی عبدالحئی۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کو جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے

ذکراللہ..... قرآن کی روشنی میں

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 10-08-2007

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیمo

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیمo

اسلام ایک سیدھا سادا عین انسانی عقل کے مطابق ہر زمانے کے لوگوں کی استعداد کے مطابق ان کی ضروریات کا خیال رکھنے والا' روئے زمین کو امن اور عدل عطا کرنے والا اور بندوں کو اللہ کریم سے پیوست کرنے والا دین ہے۔ یہ زندگی کے ہر کام میں رہنمائی فرماتا ہے خواہ وہ تلاش روزگار ہو یا ملک کا دفاع' انتظامی امور ہوں یا خانگی' معیشت ہو یا معاشرت' اخلاقیات ہوں یا کردار نیز ہر عمل میں رہنمائی فرماتا ہے یہ دین اپنے اجراء اور نزول سے لیکر قیامت تک ساری انسانیت کے لئے واحد دین برحق ہے اسلام اکیلا سچ ہے اکیلی سچائی ہے اور اس سے باہر کوئی سچ نہیں۔ اس کے سارے احکام خواہ وہ فرائض ہوں یا سنن نوافل ہوں یا مستحبات سب کا حاصل بندے کا رب العالمین سے براہ راست تعلق ہے تعلق ایمان ویقین کا نام ہے۔ اللہ کی توحید پر یقین اسکی ذات وصفات پر اس کے انبیاء پر اسکی کتابوں پر آخرت پر ضروریات دین پر یقین الذین یومنون بالغیب لوگ جن حقائق کو ذاتی طور پر نہیں جان سکتے۔ ان پر صرف اللہ کے رسول ﷺ کے بتانے پر یقین کر لیتے ہیں۔ ایسا یقین مطلوب ہے اور یہی ایمان بالغیب ہے ورنہ جب موت کے وقت آخرت منکشف ہو جاتی ہے' فرشتے نظر آتے ہیں تو پھر ماننے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ جب کسی غیر مسلم پر موت آتی ہے تو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اسے کفروشرک کی غلاظت میں لتھڑا ہوا پاتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں کہ فی ما کنتُم تم کیا کرتے رہے ہو تمہارے اندر اللہ نے عالم امر سے روح پھونکی تمہارے جدامجد حضرت آدمؑ کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اور ان کی ساری اولاد کو عظمت عطا کی تو تم کیا کرتے رہے؟ یہ گفتگو مرنے والے سے عندالموت کی جا رہی ہے جبکہ ابھی وہ دار دنیا میں ہے وہ جواب دیتا ہے **کنا مستفعفین فی الارض** ہم کمزور لوگ تھے۔ ہمارے ملکوں' قوموں اور قبائل کے بڑے سر برآوردہ لوگ ہی صاحب اختیار واقتدار تھے ہم تو بس اُن کے پیچھے ہی لگے رہے فرشتے کہتے ہیں تمہیں اس زمین پر ہمیشہ تو نہیں رہنا تھا اگر تمہارے سردار بے دین تھے تو تم اللہ کی وسیع زمین پر کہیں اور چلے جاتے اور یہ خطہ زمین چھوڑ دیتے۔ **الم تکُن فی الارض واسعته فلیمدد حاجروا فیه** آج ساری دنیا کو چھوڑ کر جا رہے ہو اگر اس وقت تم وہ خطہ زمین چھوڑ دیتے تو تمہیں ایمان نصیب ہو جاتا تم بے دینی سے بچ جاتے پھر ان کی جان نکالنے کے لئے اُن کے چہرے اور پشت پر مارتے ہیں اور مرنے سے پہلے ان کی قبض روح کے وقت ہی عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ یضر بون وجوھھُم وادبارھُم (سورۃ محمد آیت ۲۷)

فرعون نے بھی اسی حالت کو پہنچ کر کہا تھا **امنتُ برب موسیٰ وھارون** میں اس پروردگار پر ایمان لاتا ہوں جس کی دعوت موسیٰ اور ہارون دیتے ہیں فرمایا گیا اب ایمان لاتے ہو جب برزخ سامنے ہے' عذاب کے فرشتے سامنے ہیں اور بھڑکتی آگ دیکھ رہے ہو **النار یُعرضون علیھا غدُوا وعشیا** (سورہ مومن آیت ۴۶) برزخ میں

عالم یہ ہے کہ فرعون اور ال فرعون پر صبح وشام نئی آگ بھیجی جاتی ہے تو فرمایا اب ماننے کا کوئی فائدہ نہیں میرے نبیؑ جب بتا رہے تھے اُن کی بات پر یقین کرنے کا نام ماننا تھا اور ماننے کا وقت وہ تھا اس وقت تم نے میرے نبیؑ کے بتانے پر نہ مانا اور کفر کرتے رہے اب ہر چیز منکشف ہوگئی ہے تو مان رہے ہو۔

یہ ایمان مطلوب ہے ایسا ایمان بالغیب کہلاتا ہے اس ماننے میں دل کی گہرائی شامل ہو تو کردار اس یقین کی شہادت دیتا ہے اور اس یقین کو حاصل کرنے کے لئے اللہ کریم نے قرآن حکیم میں ایک کام کرنے کا حکم دیا ہے کہ جسے ہم اختیار کرلیں تو ہمارا ذہن ہی نہیں ہمارا دل بھی مان لے ہمارا باطن مان لے ہم اندر سے مان لیں اور ہمارا رواں رواں اللہ کو مان لے۔ یہ قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ بہت بڑی بات کو مختصر ترین الفاظ میں بتا دیتا ہے اور آج تک اللہ کے مقرب بندوں نے نہ صرف قرآن حکیم کی تفسیر کی ہے بلکہ احادیث مبارکہ کا احاطہ بھی فرمایا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں تو ہر آیت کے ساتھ جسقدر احادیث ملتی تھیں سب جمع کر دی گئیں اس لئے اکثر علماء اس تفسیر کو حدیث کی کتاب کہتے ہیں اس طرح لوگوں نے فہم قرآن میں عمریں بسر کر دیں اور یہ سعادت انہیں نصیب ہوئی چودہ صدیوں میں کم وبیش دو لاکھ تفاسیر طبع ہوئیں جس میں عہد حاضرہ کی تفاسیر شمار نہیں کی گئیں اس کے علاوہ وہ تفاسیر بھی شامل نہیں جو طبع نہ ہوسکیں۔ اس کے باوجود اب بھی جو غوطہ لگاتا ہے سمندر میں سے ایک نیا موتی نکال کر لے آتا ہے اس کے اندر جو گہرائی ہے وہ کبھی ماپی نہیں جاسکتی۔ اس چھوٹی سی کتاب میں اللہ کریم نے انسانیت کی رہنمائی کے لئے ہر طرح کا علم سمو دیا ہے۔ حسب حیثیت ہر زمانے کے لوگ اس سے استفادہ کرتے جائیں گے اور اس کے خزانوں میں کمی نہیں آئے گی اصلاح احوال کے لئے اقوام عالم کی تاریخ سے جتنی واقفیت ضروری تھی وہ اس میں موجود ہے زمین وآسمان کے عجائبات شمس وقمر کے طلوع وغروب اور زمین پر انکے اثرات زمین کے خزانے اور زمینی مخلوق سے واقفیت ان پر تحقیق وجستجو کی استعداد اور دعوت وہ سب اس کتاب میں نہایت جامعیت کے ساتھ موجود ہے اور یہ اللہ کی کتاب ہے اس لئے اس کے رازوں سے آگاہی حاصل کرنے اور اُن کے مطابق اپنی زندگی سنوارنے کے لئے اللہ پر ایمان اور اس سے تعلق ضروری ہے۔ اس تعلق کو بنانے اور بنائے رکھنے کے لئے عبادات ہیں نماز پنجگانہ فرض ہے لیکن نماز کو صرف ادا کرنا ہی مطلوب نہیں بلکہ دل کی رغبت سے ادا کرنا ضروری ہے یہاں پہنچ کر بندہ کہتا ہے یا اللہ میں نے وضو کرلیا' نماز میں قیام کیا' رکوع وسجود کیے یہی میرے بس میں تھا لیکن خشوع وخضوع اور قلبی کیفیات ہم کہاں سے لائیں۔ اللہ نے حکم دیا روزہ رکھو بندے نے صبح سے شام تک کچھ کھایا پیا نہیں روزہ رکھا لیکن اللہ نے فرمایا صرف منہ بند کرنا ہی نہیں اسے خلوص قلبی کے ساتھ پورا کرو۔ حکم ہوا حج کرو۔ سفر کیا رب العالمین کی توفیق سے وسائل خرچ کئے خانہ کعبہ کا طواف کیا' صفا ومروہ کی سعی کی عرفات گئے ارکان حج ادا کئے لیکن اللہ فرماتے ہیں تمہارا وجود ہی نہیں تمہارے باطن میں خشیت چاہیے قلبی خلوص دلی رغبت چاہیے۔ بندہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے جان دینے کے لئے حاضر ہے اللہ فرماتے ہیں تمہارے مقصود نہ شہرت ہو نہ بہادری کے جوہر دکھانا مقصود ہو نہ محض جان ہارنا بلکہ اس میں حضور قلب ہو بارگاہ ایزدی کی رضا مقصود ہو تمہیں پتہ ہو کہ تم اللہ کی توجیہہ پر جان قربان کر کے گواہی دے رہے ہو تمہیں بطور گواہ ''شہید'' لکھا جائے یعنی ایسا گواہ جس نے عظمت الٰہی اور حضور ﷺ کی نبوت پر جان ہار کر خون رگ جان سے لکھ دیا کہ یہی حق ہے یہی سچ ہے۔ یہ کیفیت کہاں سے لائیں؟ یہ سودا کس دکان سے ملتا ہے؟ اس پر کتنا سرمایہ لگتا ہے؟ کون دیتا ہے؟ کیسے ملتا ہے؟ قرآن کریم نے اس کا جواب دیا ہے اپنے اختصار کے باوجود آٹھ سو سے زائد آیات مبارکہ میں اپنے ذکر کا اپنی یاد کا حکم دیا ہے تیس سے زیادہ آیات وہ ہیں جو

براہ راست ذکر الٰہی کی ترغیب دلاتی ہیں یا حکم دیتی ہیں اور باقی آیات میں ذکر کے فوائد ذکر نہ کرنے کے نقصانات بیان ہوئے ہیں اور ان میں یاد الٰہی کا بالواسطہ ذکر ہے۔ ذکر اللہ دل کی زمین میں پودے کی طرح جڑ پکڑتا ہے فطرت کا قانون ہے ایک پودا اگتا ہے اس پر پھول آتے ہیں پھر پھل آتا ہے پھل میں ایک گٹھلی ہوتی ہے اس میں مغز ہوتا ہے وہی پودے کا بیج ہوتا ہے اُسی سے دوبارہ زمین تیار کر کے پانی' دے کر محنت وحفاظت کر کے ایک تناور درخت حاصل کیا جاتا ہے جس پر پھل لگتے ہیں۔ بالکل اسی طرح عہد رسالت میں جو لوگ ایمان لائے انہیں بھی ذکر اللہ کا حکم دیا گیا باوجود اس کے کہ آپ ﷺ کی ایک نگاہ پاک نے اُن کے وجود کے ذرے ذرے کو ذاکر کر دیا تھا اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ ان پر یہ کیفیت وارد ہوئی فرمایا ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ جلد سے لیکر دل تک اُن کے وجود کا ذرہ ذرہ ذاکر ہو گیا وہ شرف صحابیت سے مشرف ہوئے صحابی وہ خوش نصیب ہستیاں ہیں جنہیں حضور ﷺ کی نگاہ پاک براہ راست نصیب ہوئی۔

دنیا کے دانشور' مورخ' فلاسفر اور معلم جس شعبے کی بھی تعلیم دے وہ اس فن کی معلومات دیتا ہے اسے الفاظ اور جملوں میں ادا کرتا ہے اس کے بارے مضامین لکھتا ہے لیکن اس بیان میں کوئی کیفیت وارد نہیں کرتا۔ مورخ تاریخ بیان کرتا ہے تو سننے والا اُٹھ کر اس جنگ میں شامل نہیں ہو جاتا وہ تاریخ کے حقائق سنتا ہے انہیں یاد کر لیتا ہے دہرا لیتا ہے اور بات ختم ہو جاتی ہے فلسفی اس حد تک سمجھ لیتا ہے کہ حقائق کیا ہیں اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں لیکن نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا خاصہ یہ ہے کہ وہ جو بات ارشاد فرماتے ہیں سننے والے کو اگر اس کا دل سلامت ہو وہ ایمان والا ہو تو پھر صرف الفاظ ہی نہیں عطا ہوتے وہ کیفیت بھی اس میں موجود ہوتی ہے اور ایمان والے پر وہ کیفیت وارد بھی ہو جاتی ہے ۔ یہی حاصل ہوا صحابہ کرامؓ کو جس کے سبب انہیں دین پر وہ استقامت نصیب ہوئی کہ رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کے لئے اس طرح اسلام لانا ضروری قرار دیا گیا۔ تعلق باللہ کا انہیں وہ درجہ نصیب ہوا کہ بڑے بڑے مظالم انہیں راہ حق پر قائم رکھنے کے لئے باعث تقویت ثابت ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں آل یاسر ایک ایسا ہی خاندان تھا جو کئی پشتوں سے غلام چلا آ رہا تھا۔ حضرت یاسرؓ ان کا بیٹا عمارؓ بن یاسر انکی اہلیہ اور ایک بیٹی اُن پر ابوجہل نے مظالم کی انتہا اس لئے کی کہ یہ تو نسلوں سے غلام تھے اگر ایسے کمزور لوگ بھی اُن کے مذہب کا رد کریں گے تو اُن کے پاس کیا بچے گا اُن کے صبر اور ان پر کئے گئے مظالم کی داستان طویل اور دلدوز ہے۔ ابوجہل روزانہ انہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر دور دور کھونٹے کھینچ کر سارا دن ایذا دیتا۔ ایک دن ایسی حالت میں تھے کہ حضور ﷺ کا گزر ہوا آپ ﷺ نے نظر کرم فرمائی اور ارشاد فرمایا اے یاسرؓ کے خاندان والو صبر کرو جادہ حق پر ڈٹ کر قائم رہو۔ میں نے تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ کیا ہے میں تمہارے جنتی ہونے کا ذمہ دار ہوں یہ وقتی جسمانی تکلیف ہے اس پر صبر کرو اس وقت تک جہاد کی اجازت نہیں تھی اور برداشت کرنے کا حکم تھا لیکن کیا خوش نصیب تھے جنہیں حضور ﷺ نے ضمانت دی اور اُن سے جنت کا وعدہ فرمایا۔ ابوجہل جب ایذائیں دیتا دیتا خود تھک گیا اور اُن کے پائے ثبات میں لغزش نہ دیکھی تو اُن ضعیف خاتون سے کہنے لگا میرے لئے یہ نہایت شرم کا مقام ہے کہ ایک غلام بڑھیا بھی اتنی ایذاؤں کے بعد بھی اپنے موقف سے دستبردار نہ ہو اس لئے تم میرے ساتھ تعاون کرو اور اللہ کو ویسا ہی مانتی رہو جیسا حضور ﷺ نے منوایا ہے لیکن لوگوں میں میرا بھرم قائم رکھنے کے لئے کہہ دو میں اس اللہ کو نہیں مانتی ہوں جسے نبی کریم ﷺ رب واحد کہتے ہیں بلکہ میں تمہارے خداؤں کو مانتی ہوں صرف زبان سے کہہ دو۔ انہوں نے جو جواب دیا وہ میری بات کی وضاحت کرتا ہے وہ فرماتی ہیں میرے جسم کا رواں رواں اس واحد لا شریک کو دیکھ رہا ہے میری آنکھ نہیں' میرا صرف وجود نہیں وجود کے

اندر کا ہر ذرہ خون کا ہر قطرہ اللہ کے روبرو ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے اب اس کے سامنے میں تجھے راضی کروں یا اُسے راضی رکھوں اور تو سمجھ رہا ہے تو مجھے اذیت دے رہا ہے حالانکہ تیرے ظلم کرنے پر مجھے اللہ کی طرف سے جو راحت نصیب ہو رہی ہے وہ اللہ کے روبرو ہونے کی ہے تو جتنا ظلم کرتا ہے اتنے ہی حجابات اٹھتے چلے جا رہے ہیں اس پر اس نے بے دردی سے خنجر مارا اور پھر دونوں پاؤں دو اونٹوں یا دو گھوڑوں سے باندھ کر دونوں مختلف سمتوں میں دوڑا دیے یہ اسلام کی پہلی شہید خاتون تھیں جن کے خون نے مکہ مکرمہ کی زمین کو سیراب کیا اور حضور حق کی یہ وہ کیفیت ہے جو اللہ کا رسول ﷺ عطا کرتا ہے جب ارشاد فرماتا ہے تو صرف زبانی نہیں بتاتا بلکہ دل کو کیفیات سے بھر دیتا ہے اسی لئے جب حضور ﷺ نے مقابلہ کرنے کا حکم فرمایا اس نے پھر کچھ نہیں پوچھا کہ ہماری تعداد کم ہے ہتھیار کم ہیں اور ہمارے مدمقابل کے پاس اسباب زیادہ ہیں وہ تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہوا اُن کے پاس حضور ﷺ پر ایسا اعتماد ایسا مضبوط سہارا اور اتنی مضبوط قوت تھی کہ حضور ﷺ نے تیس ہزار صحابہ کرامؓ کے لشکر کو حکم دیا کہ تین لاکھ رومیوں سے لڑنا ہے اور جنگ بھی دست بدست تھی۔ کسی کو تعداد یا اسباب کے کم ہونے کا خیال ہی نہیں آیا اُن کے لئے یہ کافی تھا کہ اللہ کا حکم ہے نبی کریم ﷺ کا حکم ہے۔ جنگ کے خاتمے پر پتہ چلا کہ تیس ہزار مسلمانوں میں سے تین ہزار شہید ہوئے اور تین لاکھ میں گنتی کے چند لوگ بچ کر نکل سکے باقی سب قید ہوئے یا مارے گئے جبکہ یہ کوئی عام لشکر نہیں تھا یہ روما کا وہ لشکر تھا جو اپنے زمانے میں سپر پاور کہلاتا تھا۔

صحابہ کرامؓ کو یہ کیفیت وہبی طور پر رسول اللہ ﷺ کی ایک نگاہ پاک سے عطا ہو گئی تو جو اُمتی بعد میں آئیں گے اُن کے لئے بھی تو کوئی نسخہ بتایا ہوگا اور وہ نسخہ ہے ذکر اللہ۔ سورہ اعراف نواں پارہ آیت ۲۰۵ فرمایا آپؐ سب سے فرما دیجیے قیامت تک آنے والے ہر اُمتی کے لئے یہ حکم آ گیا اس لئے کہ قرآن کا حکم ہمیشہ کے لئے جیسا حکم صحابہ کرام کے لئے ویسا ہی قیامت تک کے مسلمانوں کیلئے ہے صحابہ کے لئے بھی برکات نبوت کا حصول قرب الٰہی کا حصول' عبادات میں خشوع وخضوع' جہاد میں اخلاص' وصال الٰہی کا راستہ چلنا ضروری تھا بعد والوں کے لئے انکی حیثیت کے مطابق ضروری ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے فرمایا واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفۃ اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں نہایت عاجزی کیساتھ اسکی عظمت سے لرزاں وترساں ہو کر۔

دراصل ایمان نام ہی بیم ورجاء کا ہے سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا تھا کہ کوئی مجھے کہے کہ سارے لوگ جہنم میں جائیں گے اور ایک بچ جائے گا تو مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ ایک میں ہی ہوں گا اور اگر کوئی مجھے یہ کہہ دے کہ سب جنت میں جائیں گے اور ایک نہیں جائے گا تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ کی عظمت کہیں مجھے رد نہ کر دے اور وہ ایک میں ہی نہ ہوں تو اللہ سے پکی امید اور اسکی بے نیازی کا خوف ہونا اس امید اور خوف کے درمیان ایمان ہے۔ کوئی شخص خود کو اللہ کی عظمت سے مستغنی نہ سمجھ لے کہ اب جنت میری ہو گئی مجھے کوئی نہیں روک سکتا نہیں۔ انسان کی زندگی بھر کی عبادتیں اسکی کسی ایک نعمت کا بدل نہیں ہو سکتیں وہ چاہے قبول کر لے نہ چاہے سب کو رد کر دے اسکی عظمت کو دل میں رکھ کر اللہ سے امید ہو اور اپنی نافرمانیوں پر کبھی بے خوف نہ ہو۔ یہی ایمان ہے کہ بندہ کبھی اللہ سے ناامید نہ ہو اور کبھی بے خوف نہ ہو۔ اس کیفیت کو حاصل کرنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ کیفیت اللہ کو یاد کرنے سے حاصل ہوگی واذکر رب فی نفسک اپنے رب کی یاد کو دل میں بسا لے امید بھی رکھ ڈرتا بھی رہ اسکے کرم کی امید بھی رکھ اسکی بے نیازی سے ڈرتا بھی رہو دون الجھر من القول آواز بلند نہیں ہونی چاہیے بالغدو والاصال صبح وشام اللہ کو دل میں بسا کر یعنی سارا وقت صبح وشام ہر لحہ اللہ کی یاد کو اپنے دل میں کر امید اور خوف

سے کر بغیر آواز نکالے کر دن رات کر ولا تکن من الغٰفلین اور کبھی غافلوں میں شامل نہ ہونا کوئی وقت غفلت میں نہ گزرے غفلت سال بھر کی بھی ہو سکتی ہے دن بھر کی بھی اور لمحے بھر کی بھی سو تیرا کوئی لمحہ غفلت کا شکار نہ ہونے پائے۔ اس آیۃ مبارکہ کی روشنی میں یہ صورت بن گئی ذکر اللہ کی۔

یاد رکھیے! ذکر کی کئی صورتیں ہیں زبان سے اللہ کو یاد کرنا ذکر لسانی کہلاتا ہے تلاوت' تسبیح' وعظ' تعلیم کتاب وسنت' سچ کہنا' نیکی کی ترغیب دلانے کی باتیں کرنا یہ سب ذکر لسانی کی صورتیں ہیں درود شریف پڑھنا اعلیٰ ترین ذکر لسانی ہے۔ کاروبار میں دیانتداری کرنا' امور دنیا شریعت کے مطابق انجام دینا عملی ذکر ہے۔ اسکی بہترین مثالیں تو بہترین زمانوں کی ہی ملیں گی حضرت عثمانؓ ہر رات وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ کر رکوع کرتے تھے۔ اُن کی اپنی شان ہے اگلی تو بات ہی کیا۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسے کاشتکار دیکھے ہیں ایسے زمیندار دیکھے ہیں ایک ہمارے ساتھ کے گاؤں کا حافظ تھا میں نے اسے گندم کی کٹائی کرتے دیکھا ہے وہ جس کھیت میں داخل ہوتا اکیلا کاٹتا اور درمیان سے کاٹتا میں نے پوچھا تو کہنے لگا میں سحری کے وقت آ کر شروع کرتا ہوں اور شام تک چکر لگاتا رہتا ہوں جتنا کھیت کٹ جائے ٹھیک ہے لیکن عصر کے بعد تک میرا ایک قرآن ختم ہو جاتا ہے فصل بھی کاٹتا رہتا ہوں تلاوت بھی کرتا رہتا ہوں مجھے فصل کا ہوش نہیں رہتا کہ کتنی کٹ گئی کتنی رہ گئی میری توجہ قرآن پاک کی طرف رہتی ہے مجھے تھکاوٹ بھی نہیں ہوتی جب قرآن مجید ختم ہو جاتا ہے تو میں کہتا ہوں چھٹی ہو گئی درمیان میں نماز اور کھانے کا وقفہ کرتا ہوں لیکن منزل ترک نہیں کرتا شام تک قرآن پاک ختم ہو جاتا ہے اور ایک دو چھوٹے کھیت بھی کٹ جاتے ہیں۔

ذکر لسانی اس طرح سارا دن بھی کیا جائے تو جب بھی نیند آئے گی یا کسی اور کام کے لئے زبان استعمال ہو گی تو ذکر منقطع ہو جائے گا یہی حال عملی ذکر کا بھی ہے جب بھی عمل ختم ہو گا اس میں انقطاع آ جائے گا تو عملاً ذکر دوام نہ رہا اس لئے اللہ کریم اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ اللہ کو اپنے دل میں یاد کرو اس لئے کہ صرف دل ہے جو شکم مادر سے دھڑکنا شروع کرتا ہے اور قبر کے کنارے تک دھڑکتا رہتا ہے کوئی سو جائے یا بے ہوش ہو جائے' بیمار ہو یا صحت مند کام کر رہا ہو یا فارغ ہو اسکی دھڑکن نہیں رکتی جس دن رکے گی وہ دن اس بندے کا دنیا میں آخری دن ہو گا اس لئے فرمایا نہ رکنے والے عضو میں اللہ کی یاد کو بسا لو۔ اللہ کو دل میں یاد کرو بغیر آواز نکالے امید ورجاء کے ساتھ یاد کرو ذکر کر کے دلیر نہ ہو جاؤ اور ذکر کر کے ناامید نہ ہو جاؤ اللہ ہی سے امید رکھو اس کی عظمت سے لرزاں وترساں رہو صبح وشام یاد کرو اور دیکھو غافلوں میں سے نہ ہو جانا۔

اس آیت مبارکہ کو سامنے رکھ کر ان حضرات سے پوچھیے جو ہم سے طریقہ ذکر پوچھتے ہیں اور اس کا شرعی جواز مانگتے ہیں انہیں بتایئے کہ اس آیت کی روشنی میں وہ کوئی طریقہ ذکر بتا دیں ذکر کا حکم قرآن میں موجود ہے قرآن نے مطلق ذکر کا حکم دیا ہے اس میں قید نہیں لگائی کہ کھڑے ہو کر کرو یا بیٹھ کر۔ اس میں جو شرائط رکھی ہیں وہ صرف یہ ہیں واذکر ربک فی نفسک پہلی شرط ہے کہ ذکر دل میں ہو دوسری شرط ہے و دون الجھر من القول اس میں زبان کی آواز شامل نہ ہو تیسری شرط ہے کہ یہ ہمہ وقت ہو اس میں انقطاع نہ آئے بالغدو والاصال اور چوتھی شرط ہے والا تکن من الغٰفلین کوئی لمحہ غفلت کا نہ آئے۔ یہ شرائط تو مقرر کی ہیں کوئی طریقہ مخصوص نہیں کیا گیا کہ بیٹھ کر کرو ہے ہو لیٹ کر' ہر دم کے ساتھ کر رہے ہو' کس طرح کر رہے ہو طریقہ مقصد نہیں ہے ذکر مقصد ہے اس لئے کوئی بھی طریقہ جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو اس طریقے سے ذکر کرنا جائز ہے۔ اللہ کریم نے قرآن حکیم میں ہر حکم کے ہر عمل کے اصول دیئے ہیں حضور ﷺ نے کچھ عبادات کی جزئیات تک متعین فرما دی ہیں نماز کا طریقہ سکھایا

ہر رکعت پڑھنے کا طریقہ متعین فرمادیا قیام' قعود' سجود' جلسہ' قعدہ سب کی ترتیب کس جگہ کیا پڑھنا ہے ہر چیز مکمل طور پر سنت میں موجود ہے اسی طرح روزہ ہے حکم سے شرائط تک تمام تفصیلات بتادی گئیں ان حدود سے باہر جانے سے روزہ نہیں ہوگا۔ حج کا حکم دیا اسکے مناسک' ایام مقرر بتادیئے وہ تاریخیں آگے یا پیچھے نہیں ہوسکیں لیکن جب ذکر اللہ کا حکم دیا تو صرف اصول دیئے۔ شرائط بتائیں اور ذکر قلبی کے لئے صرف چند قیدیں لگائیں پہلی یہ کہ دل ذاکر ہو دوسری یہ کہ آواز کے بغیر ہو تیسری یہ کہ کبھی انقطاع نہ آئے چوتھی یہ کہ امید رجاء کے ساتھ ہو اور پانچویں یہ کہ کوئی لمحہ غفلت کا نہ آئے۔ ذکر کی اقسام بتائیں ذکر لسانی بھی ہو ذکر عملی بھی ہو اور ذکر قلبی بھی ہو اور ذکر قلبی میں جو لمحہ غفلت میں گیا وہ ضائع ہوگیا اسی لئے صوفیوں نے کہا جو دم غافل سو دم کافر کہ جو سانس اللہ کے نام کے بغیر گیا اور جو دھڑکن اللہ کی یاد کے بغیر ہوئی وہ ناشکری میں گئی کہ اللہ کے نام کے بغیر دل دھڑکے یہ تو حق نعمت ادا نہ ہوا۔

آج احباب پوری دنیا سے آئے ہوئے ہیں امریکہ کے دوست بھی موجود ہیں یورپ' اٹلی مڈل ایسٹ اور ہندوستان کے ساتھی بھی آئے ہوئے ہیں ہر جگہ ساتھیوں پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ طریقہ ذکر جو ہم نے اپنا رکھا ہے وہ درست نہیں ہے تو احباب یاد کرلیں یہ سورۃ اعراف کی ۲۰۵ نمبر آیت ہے قرآن حق ہے اس کی ہر آیت حق ہے معترضین سے کہیے اس آیت کا مقصد کیا ہے؟ اس میں جو حکم ہے اس کے پورا کرنے کی کیا صورت ہے؟ آپ اس آیت کے مصداق طریقہ بتایئے وہ طریقہ بتایئے جس سے اس آیت میں جو حکم آیا ہے وہ پورا ہو۔ اور اگر آپ نہیں بتا رہے تو کیا آپ ہم سے اللہ کی یاد چھڑانا چاہتے ہیں! اگر کوئی اس آیت کا حکم پورا نہیں کر رہا تو اُسے سوال کرنے کا حق بھی نہیں۔ علماء حضرات تشریف رکھتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ جو حکم نص قرآنی سے منصوص ہو وہ فرض عین ہوتا ہے جیسے فرمایا گیا اقیموا الصلوۃ تو نماز فرض عین ہوئی روزے کا حکم آیا تو روزہ فرض عین ہوگیا حج کا حکم آیا تو اپنی شرائط کیساتھ وہ فرض عین ہوگیا جو حج کی استطاعت رکھے اس پر فرض ہے جہاد اپنی شرائط کے ساتھ فرض ہے اور ذکر اللہ کا حکم آٹھ سو بار سے زائد آیا تو کیا وہ فرض نہیں ہوا!۔ اسی لئے قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں ہر مرد و عورت پر ذکر واجب لکھا ہے لیکن ذکر کیسے کرے یہ اللہ کا کلام پاک بتاتا ہے اصول دیتا ہے شرائط و حدود مقرر کرتا ہے آپ ہمیں کہتے ہیں اسے قرآن سے ثابت کریں ہم اس آیت کے مطابق ذکر اللہ کرتے ہیں آپ کو یہ طریقہ پسند نہیں آپ ہمیں وہ طریقہ بتادیں کہ جس طرح کرنے سے اس آیت کا مفہوم پورا ہو جاتا ہو اور اگر آپ کے پاس نہیں ہے تو آپ بھی ہمارے ساتھ بیٹھئے اللہ اللہ ہی تو کرنا ہے۔ نماز آپ رفع یدین سے ادا کرتے ہیں تو کیجیے آپ سینے پہ ہاتھ رکھتے ہیں تو رکھیئے آپ نے داڑھی رکھی ہوئی ہے یا نہیں رکھی ہوئی' بڑھائی ہوئی ہے یا نہیں بڑھائی ہمیں کوئی اعتراض نہیں آپ ہمارے ساتھ بیٹھ کر چند دن ہمارے بتائے ہوئے طریقے سے ذکر کرلیں۔ گھوڑا بھی حاضر ہے میدان بھی موجود ہے اس طریقے سے اس آیت کی ساری شرائط پوری ہوتی ہیں اس طریقے سے قلب بھی ذاکر ہو جاتا ہے آواز بھی بلند نہیں ہوتی۔ کوئی لمحہ غفلت کا بھی نہیں آتا۔ ویسے تو قرآن حکیم میں جگہ جگہ ذکر کا حکم موجود ہے لیکن اس آیت کریمہ میں یہ مطالبہ اپنی پوری شرائط کے ساتھ موجود ہے۔

جہاد ذکر کی ایک قسم ہے اللہ کریم فرماتا ہے اللہ کی راہ میں لڑنا پڑے تو فاثبتوا جم کر لڑو واذکر اللہ کثیرا اسکے ساتھ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو۔ جب میدان جنگ میں مجاہد اسلحہ سے لیس ہو کر اپنی بندوق اسکے ہدف کی طرف توجہ کرے گا اور ذکر بھی کرے گا تو کس طریقے سے

کرے گا؟ یہی جواب اس آیت کریمہ میں دیا گیا ہے کہ دل کو ذاکر کرو۔ غفلت سے بچاؤ' دوام ذکر حاصل کرو پھر جہاد میں بھی ذکر قلبی ہوتا رہے گا اور اسباب ظاہری کے مطابق جہاد بھی ہوگا۔

معترضین کہتے ہیں نماز ذکر ہے جی ہاں نماز بھی ذکر کی ایک صورت ہے،ہم بھی نماز کو ذکر کی ایک صورت سمجھتے ہیں لیکن آپ اللہ کریم سے بھی معلوم کرلیں وہ فرماتا ہے اذانودی للصلوۃ من یوم الجمعته فاسعوا الیٰ ذکر اللّٰہ وذروا البیع (جب جمعے کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو کام کاج چھوڑ دو اور بھاگو اللہ کی یاد کی طرف) یہاں نماز کو ذکراللہ کہا گیا ہے اسی آیت کا اگلا حصہ یہ ہے فاذ قضیتِ الصلوۃ ُفانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ واذکرو اللّٰہ کثیراً (سورۃ جمعہ آیت ۱۰) جب نماز ختم ہو جائے پھیل جاؤ زمین میں اپنی اپنی روزی تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو) آپ کے بقول صرف نماز ذکر ہے تو پھر نماز کے مکمل ہونے کے بعد یہ کس ذکر کا حکم دیا جارہا ہے صرف جہاد ذکر تھا تو جہاد کے ساتھ ساتھ کس ذکر کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح حج کو لے لیجیے فرمایا فاذا قضیتُم منسککم فاذکرو اللّٰہ کذکرکُم ء اباء کُم أو أشد ذکراً (سورۃ البقرہ آیت ۲۰۰)

جب مناسک حج سے فارغ ہوجاؤ تو اپنے رب کا ذکر کرو۔

ہر عبادت کا اپنا مقام ہے اور ذکر اللہ ہر عبادت کی روح ہے ذکر اللہ ہر عبادت میں اخلاص قائم رکھتا ہے اسے قبولیت کے قابل بناتا ہے اللہ اللہ کرتے رہنا ذکر ہے زبان' دل' اعضاء جوارح نیت ارادہ سب کا متوجہ الی اللہ ہونا ذکر ہے۔ اسی لئے اللہ کریم حج کے ساتھ' جہاد کے ساتھ' نماز کے بعد' غرض ہر عبادت کے ساتھ علیحدہ سے ذکر اللہ کا حکم دیتے ہیں۔

انبیاء ہر لحہ یاد الٰہی میں گزارتے اور ہر لحہ احکام الٰہی پر عمل پیرا ہوتے ہیں انبیاء جس زمین پر سے گزرتے ان کی برکت سے وہ ذرات ذاکر ہو جاتے ہیں۔ اگر اللہ کریم کسی کو کوئی نگاہ دے تو وہ اس صحرا کو اُن گلیوں کو اُن مناظر کو دیکھے جہاں محمد رسول اللہ ﷺ کے قدوم مبارک لگے ہیں ہر ذرہ آج بھی یاد الٰہی سے پُر ہے روشن ہے ذاکر ہے۔ زمین پر جہاں حضور ﷺ کے قدوم مبارک لگے وہ ٹکڑا زمین اس طرح روشن ہے جس طرح چاند آسمان پر چمکتا ہے آج بھی نظر آتا ہے۔ مدینہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان فضا کو دیکھا تو انوارات الٰہی سے پُر تھی قدوم مبارک کی تو سمجھ آ گئی فضا میں کیا ہے؟ حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا انہوں نے فرمایا جہاں جہاں حضور ﷺ کی نگاہ مبارک گئی وہ فضا منور ہوگئی اور قیامت تک منور رہے گی نبیؑ کی خصوصیت ہے کہ جس شئے کو وہ استعمال کریں لباس ہو یا جوتے ہر شئے منور ہو جاتی ہے جس زمین پر قدم رکھیں وہ زمین ذاکر ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تمہاری فتح کی دلیل یہ ہے کہ فرشتے تمہارے پاس موسیٰؑ اور ہارونؑ کے تبرکات لائیں گے اس تابوت سکینہ میں کیا تھا موسیٰؑ کی لاٹھی کے ٹکڑے تھے' ٹوٹی ہوئی تختیاں تھیں' استعمال شدہ لباس کے حصے تھے پرانے جوتے تھے۔ جو صدیوں سے کفار کے قبضے میں رہے اور جن کے بارے فرمایا کہ اللہ کے فرشتے انہیں لے کر آئیں گے بنی اسرائیل کو دیں گے جس سے انہیں جالوت پر فتح حاصل ہو جائے گی۔ اُن پرانے جوتوں' کپڑوں اور لاٹھی کے ٹکڑوں میں کیا رکھا ہے؟ فرمایا یہ پرانے جوتے' پرانے کپڑے اور ٹوٹی ہوئی لاٹھی نہیں یہ اللہ کے نبیؑ کی استعمال شدہ چیزیں ہیں انہیں اللہ کے نبیؑ نے مس کیا ہے چھوا ہے اور اللہ نے اتنا اہتمام کیا ہے کہ اسے فرشتے اٹھا کر بنی اسرائیل تک پہنچائیں گے جن کی برکت کے باعث انہیں فتح حاصل ہوگی کہ ان چیزوں کیساتھ برکات وابستہ ہیں۔

جنہیں اعتراض ہے اس طریقہ ذکر پر وہ ہمیں کوئی جواب تو دیں کہ

ہم کیا کریں کہ اس آیت کا مفہوم پورا ہو۔ یہ طریقہ ہم نے تو ایجاد نہیں کیا۔ صحابہؓ کو حضور نبی کریم ﷺ کی نگاہ مبارک نے اس آیت کا مصداق بنا دیا۔ انہیں یہ پکا پکایا پھل ملا۔ انہوںؓ نے اسے ایسے ہی تابعین اور تابعین نے ایسے ہی تبع تابعین کو منتقل کر دیا تبع تابعین کے بعد لوگوں کو بیج ملا انہوں نے اسے زمین دل میں بویا محنتیں کیں زندگیاں اسی کام میں صرف کر دیں پھر جا کر اس پر پھل لگا وہ بیج ہم تک پہنچا ہمیں اُسے اپنے قلب کی زمین میں بونا ہے اُسے یاد الٰہی کا پانی دینا ہے ہمیں مجاہدہ کر کے اسے تناور بنانا ہے اسے شیطانی اعمال سے تحفظ دینا ہے یاد الٰہی کی باڑ لگانی ہے ہمیں غفلت سے بچنا ہے تا کہ یہ دل میں پھیلے اس پر خوشبودار پھول آئیں پھل لگیں اور آنے والوں کو شاید ہم اس کا بیج دے کر جائیں۔ ہم اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتے مشائخ کے تجربے ہیں اسی لئے سلاسل تصوف میں ذکر کے مختلف طریقے رائج ہیں سب طریقے درست ہیں کسی پر شرعی گرفت نہیں اور طریقہ ذکر مقصود بھی نہیں ذکر مقصود ہے یاد الٰہی مقصود ہے ہمارے پاس نسبت اویسیہ کا طریقہ ذکر ہے اس میں اور دیگر طریقہ ہائے ذکر میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ باقی طریقہ ہائے ذکر دیسی دواؤں کی طرح ہیں ان میں اعلیٰ قیمتی جڑی بوٹیوں کو کوٹ چھان کر معمولی معمولی خوراکوں سے شروع کروایا جاتا ہے یہ مسلسل اور طویل طریقہ علاج ہے جبکہ نسبت اویسیہ انجکشن ہے ایک ٹیکہ لگے تو سارے وجود میں اثر پھیل جاتا ہے ہم ایک نگاہ کرتے ہیں سارا وجود ذاکر ہو جاتا ہے ''لذت ایں مے بخدا ناشناسی تا نہ چستی'' جس نے چکھا ہی نہیں وہ اعتراض کرتا ہے اس کے اعتراض کی حیثیت ہی کیا ہے؟

اور یہ یاد رکھیں! معترض کس سے اعتراض بیان کرتا ہے؟ جن دوستوں کے سامنے لوگ اعتراض کرتے ہیں میں انہیں تلقین کرتا ہوں کہ اپنی خبر لو! کہیں یقین میں کوئی کمی ہوتی ہے کوئی درز رہ جاتی ہے جہاں سے اعتراض اندر گھستا ہے ورنہ یہ طریقہ ذکر تو وہ ہے کہ وجود کا ہر ذرہ ذاکر ہو جاتا ہے۔ میں پچیس برس حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا اور اب پچیس برس حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کو ہو گئے نصف صدی میں میرے سامنے مجھ پر کسی نے اعتراض نہیں کیا نہ میرے کسی رشتہ دار نے نہ اہل خاندان نے نہ کسی دوست نہ کسی مولوی اور نہ ہی کسی دشمن نے کیوں نہیں کیا؟ یہ اللہ کی طرف سے قوت یقین ہے اگر یقین کی وہ قوت آپکے اپنے اندر ہے تو معترض آپ کے سامنے منہ نہیں کھولے گا۔

اس طریقہ ذکر کی عظمت کا اندازہ کریں کہ ایک دن کسی نے مجھے ایک صوفی کا قول پیش کیا کہ مجھے اسکی وضاحت کر دیں سمجھ نہیں آئی وہ یہ تھا کہ ''میں ایک مرتبہ سانس لیتا ہوں دل ایک بار دھڑکتا ہے اور پانچ سو بار اللہ اللہ کہہ لیتا ہوں'' سوال یہ تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ میں نے کہا یہ انکی اپنی کیفیت ہے اللہ انہیں نصیب کرے۔ ہمارے ہاں تو ہر ذرہ وجود بدن کا ہر Cell ذاکر ہو جاتا ہے کیا کوئی وجود کے Cell گن سکتا ہے نسبت اویسیہ کے طریقے ذکر میں ایک لمحے میں وجود کے سارے ذرات ذکر کرتے ہیں ہر سیل Cell اللہ ہوں کہتا ہے۔

مجھ سے پانچ سو بار کی بات پوچھتے ہو یہاں تو پانچ ارب سے زیادہ ذکر اللہ ہوتا ہے یہاں بات گنتی سے بڑھ کر ان گنت پر جاتی ہے۔

اللہ کریم یہ کیفیات' انکی لذتیں عطا کرے سنبھالنے کی توفیق دے پورے خلوص کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا اتباع واطاعت نصیب ہو اللہ توفیق دے کہ ہماری ناکارہ جان بھی اسکی راہ میں شہادت سے سرفراز ہو۔ اللہ اپنے اُن بندوں میں شامل رکھے جو اسکی عظمت کے لئے زندگیاں بسر کرتے ہیں اور غفلت سے ہمیشہ ہمیشہ بچائے اپنی پناہ میں رکھے آمین۔

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

اجتہاد کسے کہتے ہیں؟

آج کے دور میں وسائل بدلے اور اس کے ساتھ کچھ نئے مسائل سامنے آئے لیکن ان پر اجتہاد وہ ہے جو قرآن، وحدیث اور متقدمین کی آراء کے مطابق ہو۔ ان سب کو چھوڑ کر کوئی نئی راہ نکالنا اجتہاد نہیں، بغاوت ہے۔ دین کی تعبیر نہیں، تحریف ہے اور دین کو بدلنے والی بات ہے۔ یہ جو روز اجتہاد کا شور ہو رہا ہے تو میرے خیال میں یہ لوگ خود بھی نہیں سمجھتے کہ اجتہاد کسے کہتے ہیں۔ ہمیں اجتہاد یہ کرنا ہے کہ ان وسائل کے ساتھ اور اس زمانے میں ہم کس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کا حق ادا کر سکتے ہیں کہ اس زمانے میں بھی رہیں، اس کا کپڑا بھی پہنیں، آج کی غذا بھی کھائیں، آج کی گاڑیوں پہ سفر بھی کریں، آج کے جہازوں پہ سفر بھی کریں، آج کی مصروف شہری زندگی میں بھی رہیں لیکن حضور اکرم ﷺ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع ہوتا رہے اگر یہ اجتہاد ہے تو درست ہے لیکن یہ اجتہاد نہیں ہے کہ قرآن وحدیث کو آج کے تقاضوں کے مطابق بدلا جائے۔

ماخوذ از ''اکرم التفاسیر'' جلد دوئم

تعاون

تاجران کاٹن یارن اینڈ بی سی یارن

شیخ ناصر، شیخ عبدالستار گلی نمبر 1 بالمقابل رحمان مارکیٹ

منٹگمری بازار، فیصل آباد فون 041-2617075-2611857

غفلت کی سزا

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 03-02-2008

الحمدللہ رب العلمینo

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وَاٰلہٖ

واصحابہٖ اجمعینo

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیمo

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیمo

ولکن من شرح بالکفر صدراً فعلیھم غضب ٌمن اللہ ولھُم عذابٌ عظیمo ذلک بانھم استحبو الحیٰوۃ الدنیا علی الآخرۃ. وان اللہ لا یھدی القوم الکٰفرینo اولٰئکَ الذین طبع اللہ علیٰ قلوبھم وسمعھم والبصار همo واولٰئک ھُمُ الغفلونo لاجرام انھُم فی الاخرۃ ھُمُ الخٰسرُونo

اللھُم سبحٰنک لا علملناَ الا ما علمتنا اِنکَ انت العلیمُ الحکیم

مَولایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبداً
عَلٰی حَبِیبِکَ مَنْ زانت بِہٖ الْعُصُروا

سورہ نحل کی ان آیات مبارکہ میں اللہ کریم نے کفروشرک کو اللہ کی عظمت کے انکار کو اور صداقت پیغمبر ﷺ کے انکار کو سب سے بڑا جرم قرار دیا ہے اور اسکی سزا بھی اس جرم کے تناسب سے مرتب کی ہے فرمایا ان کے دلوں میں کفر اس طرح دھنس گیا ہے کہ ان کی سوچ، فکر اور کردار پر اسکی چھاپ لگ گئی ہے ولکن من شرح بالکفر صدرً اُن کا شرح صدر کفر کے لئے ہوگیا ہے۔ جیسے نیکی کے لئے کسی کا شرح صدر ہوتا ہے اور اسکی سوچ فکر درست ہو جاتی ہے اسے نیک خیالات آتے ہیں اس کا کردار نیک ہو جاتا ہے اس کا سینہ کھل جاتا ہے نیکی کے لئے کوشاں ہوتا ہے اسی طرح کفر کے لئے بھی شرح صدر ہو جاتا ہے بُرائی کے لئے بھی سینہ کھل جاتا ہے ایسا شخص بُرائی کے نت نئے طریقے سوچتا ہے بُرائی پھیلانے کی نئی نئی تجویزیں سوچتا ہے اور اللہ کی نافرمانی کے امور میں بہت ترقی کر جاتا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں جس کا شرح صدر نبی کریم ﷺ کی مخالفت میں ہو جاتا ہے اس کا ذہن اس طرف چل پڑتا ہے اس کا کردار بُرائی کی علامت بن جاتا ہے اور فعلیھم غضب من اللہ وہ غضب الٰہی کا شکار ہو جاتا ہے اس کا ہر ہر فعل ہر ہر عمل غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے اور یہ اتنی بڑی سزا ہے جس کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب کائنات بسیط کا ایک ایک ذرہ اللہ کی کبریائی پر گواہ ہے۔ نظام کائنات اتنا مربوط ہے کہ ایک قطرے سے قطرہ، ذرے سے ذرہ، ہوا کے جھونکے سے جھونکا جڑا ہوا ہے اور ہر چیز کا دوسرے سے جڑنا نظام کو مربوط رکھتا ہے یہ ربط بڑا نازک نظر آتا ہے لیکن اتنا مضبوط ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا حکمران بھی اس میں مداخلت نہیں کر سکتا نہ ہواؤں کو روک سکتا ہے نہ بادلوں کو اپنے حکم سے چلا سکتا ہے نہ کھیتی کو بار آور کر سکتا ہے نہ سبزے کو اُگا سکتا ہے نہ اُسے ختم کر سکتا ہے یہ اتنا مضبوط ہے کہ اس

میں مداخلت کی اجازت اللہ نے کسی کو نہیں دی یوں عظمت الٰہی نظام کائنات کے ہر ہر پہلو سے ہویدا ہے اور پھر اللہ نے اطاعت کرنا انسانی فطرت میں سمو دیا ہے اور یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ دینی امور ہوں یا سیاسی معاشی یا معاشرتی ہر جگہ انسان کسی نہ کسی کے پیچھے چلنا اپنی ضرورت سمجھتا ہے ایسا کرنا انسانی مزاج کا تقاضا ہے۔ یعنی ہر فرد کسی نہ کسی کا پیروکار ہے جب آدمی کو کسی نہ کسی کے پیچھے ہی چلنا ہے تو پھر کائنات میں محمد رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کون مثالی ہستی ہے تو پھر آپ ﷺ کا اتباع کیوں نہ کیا جائے؟ اور آپ ﷺ کے پیچھے کیوں نہ چلا جائے؟ پھر لوگ ایسا کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا ذٰلک بانھُم استحبوا الحیٰوۃ الدنیا علی الاخـرۃ o اس لئے کہ وہ دنیا میں دھنس کر آخرت کو بھول بیٹھے وہ مادی وجود کی لذت میں اس قدر کھو گئے کہ اپنی روح کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

اللہ کریم نے انسان کو عجیب آمیزے سے بنایا۔ مادے کی انتہائی کثیف شکل یعنی گلے سڑے کیچڑ سے انسانی بدن بنایا اور انتہائی اعلیٰ لطیفہ ربانی نہایت بلند مقام جو عالم خلق سے بلند ہے جسے عالم امر کہتے ہیں جو اللہ کی صفت امر سے ہے اس میں سے بدن میں روح پھونکی یعنی انسان ایک طرف مادے کی کثافت کی انتہا ہے اور دوسری طرف صفات باری کی نفاست کی انتہا ہے جس کے بارے اللہ کریم نے فرمایا قل الروح من امر ربی روح امر ربی میں سے ہے امر صفت باری ہے ولـہ‘ الـخـلـق والامر عالم خلق بھی اللہ کا ہے عالم امر بھی اللہ کا ہے خلق مخلوق ہے اور امر ذات باری کی صفت ہے جیسے اسکی ذات قدیم ہے ویسے اسکی صفات قدیم ہیں اللہ کی ذات ایسی ہے کہ اس نے مخلوق کو عدم سے پیدا کیا اور جب چاہے

سب کو نابود کر دے یہ اسکی قدرت ہے اس نابود ہونے والی مخلوق کو اس طرح بنایا کہ اس کے بدن کو کثیف ترین مادے سے بنا کر اس نازک ترین اعلیٰ چیز کو جسے روح کہتے ہیں اس سے ایسا پکا جوڑ لگایا جو کبھی نہیں ٹوٹے گا اسی لئے انسان ہمیشہ رہے گا ورنہ اس خاک کو ہمیشگی اور دوام نہیں' آگ' ہوا' مٹی' پانی کو دوام نہیں' یہاں کی ہر شے فانی ہے فنا ہو جائے گی۔ لیکن خاک کا وہ حصہ جو کسی انسان کا بدن بنا اور عالم امر کی روح سے پیوست ہو گیا وہ ہمیشہ رہے گا اس لئے کہ روح کو فنا نہیں روح ہمیشہ رہے گی اور روح کے سبب سے انسان ہمیشہ رہے گا ابدی ٹھکانوں میں سے جنت کی فضائیں اپنی ہوں گی اور دوزخ کی آگ اپنی ہوگی دنیا کی آگ وہاں نہیں ہوگی دوزخ کے عذاب اور اسکی بلائیں جدا ہونگی اسی طرح جنت کی نعمتیں' پھل' پھول لعل و جواہر وہاں کی مٹی اور زمین سب مخصوص ہونگی ان کا دنیاوی نعمتوں سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اس سب کے باوجود بدن انسانی جس مادے سے بنا اور عالم امر سے آئی ہوئی روح سے جڑا وہ ہمیشہ رہے گا یوں انسان میں دو نعمتیں اکٹھی ہو گئیں ایک اسکی روح ہے جو عالم امر سے ہے اور ایک بدن ہے جو مادے سے ہے۔ دماغ مادی ہے اور بدن کی ضروریات کا ادراک کرنا ان کو پورا کرنے کے بارے سے سوچنا دماغ کا کام ہے اسی طرح روح کی بھی ضروریات ہیں اور ان ضروریات کا ادراک کرنے اور انہیں پورا کرنے کی استعداد اللہ نے قلب کو عطا کی ہے۔ جس طرح بدن کو دل دماغ اور دیگر اعضائے رئیسہ دیئے ہیں اسی طرح روح کو عالم امر کے لطائف خمسہ عطا کیے ہیں قلب' روح' خفی اور اخفاء یہ لطائف ربانی عالم امر سے ہیں جو روح کے اعضائے رئیسہ ہیں جس طرح بدن کے اعضائے رئیسہ کام چھوڑ دیں تو بدن سلامت

نہیں رہتا یعنی دل، گردے یا جگر کام کرنا چھوڑ دیں تو بدن سلامت نہیں رہتا اور اگر دماغ ہی کام چھوڑ دے تو خود وجود انسانی کو اپنا ہوش نہیں رہتا کھانے پینے لباس بے لباس ہونے تک کا احساس مٹ جاتا ہے اسی طرح اگر روح کے اعضائے رئیسہ میں حیات نہ رہے تو پھر انسان روح کی فکر سے آزاد ہو جاتا ہے وہ کس کھائی میں گر رہا ہے اسے اس کا شعور نہیں رہتا یہاں اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جو لوگ عظمت پیغمبر ﷺ سے آشنا نہیں ہوتے اُن کے مادی اعضائے رئیسہ کام کر رہے ہوتے ہیں انہیں دنیا کی نعمتیں نظر آتی ہیں دنیا کی لذتیں محسوس ہوتی ہیں، دنیا کی بڑائی کا خیال رہتا ہے لیکن دنیا ہی میں دھنس جاتے ہیں اور روح کی بالیدگی سے محروم ہو کر آخرت کو بھول جاتے ہیں، ہر کافر اور ہر مشرک کی سوانح دیکھیں تو اسکے کردار کے ہر پہلو میں غلاظت ہی نظر آتی ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کے ہر لفظ میں، ہر عمل میں، ہر قدم مبارک میں صداقت اور نور ہے تو لوگ نور کو صداقت و شرافت کو پیغام الٰہی کی عظمت کو چھوڑ کر رذالت و نجاست کی طرف کیوں لپکتے ہیں؟ اس لئے کہ جو لطائف ربانی اُن کے پاس تھے وہ انکی طرف متوجہ نہیں ہوئے بلکہ مادی لذتوں، مادی غذاؤں سے مادی احساسات کو جگاتے رہے انہی پر فریفتہ ہوتے رہے مادہ سامنے تھا اُسی پر ہی لپکتے رہے اور روح جو باطن میں تھی جسکے لطائف ربانی کو نور نبوت سے حیات ملنا تھی اس کی طرف توجہ ہی نہ کی۔ روح کے اعضائے رئیسہ قلب، روح، سری، خفی اور اخفا کی حیات کے لئے سینے میں ایک چراغ تھا اس میں بتی بھی تھی تیل بھی تھا لیکن اس میں روشنی نور نبوت سے آنی تھی اس نے یہ چراغ روشن ہی نہیں کیا وہ ایمان لاتا کلمہ طیبہ پڑھتا، نبی کریم ﷺ سے وابستہ ہوتا تو اس میں نور آتا۔

جب اس میں روشنی نہ آنے دی تو انسان روح کی طرف سے بے خبر ہو گیا اُسے پھر آخرت کی فکر ہی نہ رہی وہ صرف دنیا کا ہو کر رہ گیا جب اس نے اپنی پسند سے آخرت کو چھوڑ دیا اور جائز ناجائز، حلال حرام، دولت دنیا، اقتدار دنیا اور لذات دنیا میں غلط اور درست کی تمیز کھو کر محو ہو گیا تو اس کے اس انتخاب پر اللہ اس کے لئے ہدایت کے راستے بند کر دیتے ہیں **فان اللہ لا یھدی القوم الکفرین** آخرت کو چھوڑ کر روح جیسی نعمت سے منہ موڑ کر محض مادیت پرستی پر یکسو ہو جانا اتنا بڑا جرم ہے کہ جو کلی طور پر اسے اپنا لیتا ہے اللہ کریم اپنی رحمت و شفقت کے دروازے اس پر بند کر دیتے ہیں واپسی کا دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہے اور اسکی سزا یہ ہوتی ہے **اولٰئک الذین طبع اللہ علیٰ قلوبھم وسمعھم والبصار ھم واولٰئک ھم الغفلون** ٥ اللہ کریم ان کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے کہ اللہ نے تو بندے کو نیک و بد راستے کی نشاندہی فرما دی نیکی اور برائی کی تمیز کی استعداد عطا فرمائی اپنے پیغام کو اپنے عظیم رسول ﷺ کے ذریعے پہنچایا دونوں راستے واضح کر دیئے۔ **ان ھدینہ السبیل اما شاکراً واما کفوراً** ٥ اب چاہو تو اللہ کا شکر ادا کرو اور چاہو تو ناشکری کا راستہ اپنا کر دیکھ لو۔ لیکن بندے نے اپنے اختیار سے غلط راستے کا انتخاب کیا جب بندہ اس راستے کا انتخاب کر لیتا ہے تو اسکی سزا یہ ہوتی ہے کہ اُس کا دل مردہ ہو جاتا ہے اسکی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں، اسکی سمجھ الٹی ہو جاتی ہے لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ کوئی کافر اندھا یا بہرا نہیں ہوتا زندگی میں ان کے دل کی دھڑکن بھی بند نہیں ہوتی نظر بھی صحیح آتا ہے انکی سماعت بھی اچھی بھلی ہوتی ہے تو یہ کس سماعت اور بصارت پر مہر کی بات ہو رہی ہے۔ یہ باطن کی آنکھ باطن کی بصارت کی بات ہو رہی

ہے ورنہ سماعت میں تو بعض جانور انسان سے آگے ہیں بعض جانوروں کی قوت سماعت انسانوں سے چالیس گنا زیادہ ہے امریکہ کی ایک ریاست میں ایسے علاقے ہیں جہاں گائے بیل جتنے بڑے بڑے جانور رہوتے ہیں وہاں چونکہ جنگلی حیات کو تحفظ حاصل ہے اس لئے ان کی حفاظت کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے شام پڑتے ہی جانور شہر کا رخ کرتے ہیں جس سے حادثات کا خطرہ ہے اس لئے وہاں کی گاڑیوں میں ایسے الارم لگا دیئے گئے ہیں جو گاڑی چلانے کی ابتداء کے ساتھ ہی بجنا شروع ہو جاتا ہے لیکن کسی انسان کو سنائی نہیں دیتا لیکن اُن جانوروں کو اس طرح سنائی دیتا ہے کہ وہ گاڑی کی سمت سے دور بھاگ جاتے ہیں یہ تجربہ تو شہروں دیہاتوں میں ہر شخص کو ہوتا ہے کہ جانور دیکھ کر ہارن بجایا جائے تو جانور تیزی سے حرکت کرتا ہے بدحواس ہو کر بھاگتا ہے حالانکہ وہی ہارن ہمیں بھی سنائی دیتا ہے لیکن سماعت پر ویسا بھاری نہیں ہوتا جتنا اُن پر بھاری ہوتا ہے اس لئے کہ انہیں وہی ہارن چالیس گنا زیادہ سنائی دیتا ہے تو اگر مادی قوت سماعت کی بات ہو تو وہ انسانوں کی نسبت جانوروں میں زیادہ ہے لیکن ہم سے چالیس گنا زیادہ قوت سماعت رکھنے والے کو کیا انبیاء کی تعلیمات کو سمجھنے کی استطاعت رکھتے ہیں؟ کیا ان میں نیک وبد کا شعور ہے؟ تو پھر نری قوت سماعت کا تو کوئی فائدہ نہ ہوا اسی طرح جانوروں کی قوت بصارت انسانوں کی نسبت زیادہ ہے عام مشاہدہ ہے کہ بلیوں اور چوہوں کو رات کی تاریکی میں خوب نظر آتا ہے اسی طرح درندے جنگل میں راتوں کو اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے دن کو دیکھتے ہیں حتیٰ کہ اُلو کو دن کی روشنی میں نظر نہیں آتا اور رات کو وہ روز روشن کیطرح دیکھتا ہے تو اتنی تیز بصارت کے باوجود کیا اُلو اتنا نکتہ سنج ہے کہ وہ روح کے معاملات کو صداقت انبیاء کو، آخرت کے امور کو سمجھ سکے؟ ہرگز نہیں۔

عظمت رسالت کے منکرین کی یہی مثال ہے کہ ان کے دل تو دھڑکتے ہیں مگر اللہ کی عظمت کو پہچان نہیں سکتے اُن کے کان شور سنتے ہیں ہدایت اور صداقت کا پیغام نہیں سنتے آنکھیں جانوروں کی طرح صرف مادی چیزیں دیکھتی ہیں ان کے پاس سے مثبت احساسات ختم ہو جاتے ہیں اور صرف منفی سوچیں رہ جاتی ہیں انکی سماعت وبصارت میں انسانی عظمت باقی نہیں رہتی کہ وہ کائنات میں ہر سو پھیلی اللہ واحد کی نشانیاں دیکھ سکیں۔ جب وہ انسانی عظمت سے دستبردار ہو جاتے ہیں تو سزا کے طور پر اللہ کریم انکے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر کر دیتے ہیں۔ اس کی پہچان کیا ہے؟ وہ کون لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ گئی؟ فرمایا اولٰئک ھم الغفلون ○ وہ یاد الٰہی سے غافل ہو جاتے ہیں اندھے کی نشانی ہے کہ وہ ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے بہرے کی نشانی ہے کہ آوازیں دیتے رہیں وہ نہیں سنتا اور جنکی روح کی سماعت وبصارت ختم ہو جائے انکی نشانی کیا ہے؟ یاد الٰہی سے غفلت وہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں۔

غفلت کے بھی درجے ہیں عمر بھر کی غفلت بھی غفلت ہے پل بھر کی غفلت بھی غفلت ہے تو دیکھنا یہ چاہیے کہ ہم میں ہماری روح میں کتنی بیداری ہے اور کتنی یاد الٰہی ہے اور کس قدر غفلت سے ہم دوچار ہیں لیکن جب بھی ہم کچھ سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں اُسے دوسروں پر لاگو کرتے ہیں جبکہ اسے خود پر لاگو کرنا ہماری اپنی ضرورت ہے اور اپنی ذات کی اصلاح ہماری اولین ترجیح ہونا چاہیے۔

ذکر الٰہی اور اللہ کو یاد کرنے سے اللہ کے بندے کاروبار حیات سے

الگ نہیں ہو جاتے بلکہ دنیا کے سارے ضروری کام کرتے ہیں دنیا کے کام کرنا ہی عبادت ہے لیکن وہ تمام امور دنیا اللہ کے حکم اور نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ کے مطابق کرتے ہیں۔ ترک دنیا اور گوشہ نشینی شعبدے اور استدراج حاصل کرنے کے لئے وہ لوگ کرتے ہیں جو نور نبوت سے محروم رہنا چاہتے ہیں جو عجائبات کے حصول کے لئے چلہ کشیاں کر کے شیطان سے رابطہ کرتے ہیں جن کا مقصد اغراض فاسدہ کا حصول ہوتا ہے اُن کے بارے قرآن حکیم میں ارشاد ہے وان الشیطین لیوحون الی اولیئھم . شیاطین اُن سے باتیں کرنے لگے۔ یعنی باطل کاموں کے لئے باطل طریقے اختیار کر کے اُن کا رابطہ شیاطین سے اتنا مضبوط ہو گیا کہ شیاطین سے اُن کی گفتگو ہونے لگی۔

مسلمان کو ترک دنیا نہیں دنیا کو اللہ کے حکم کے مطابق چلانا ہے۔ بندہ مومن کی ذمہ داری یہ ہے کہ جہاں تک اس کا اختیار ہو وہاں تک امور دنیا کو اللہ کے حکم اور اللہ کے پیغمبر ﷺ کے حکم کے مطابق ڈھالنے کی اپنی سی سعی کرے نتائج اللہ کریم کے ہاتھ میں ہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ لیکن اپنی کامیابی کو ماپنے کا معیار اللہ نے یہ دے دیا ہے کہ ہر بندہ دیکھے کہ اس میں غفلت کتنی ہے اور بیداری قلب کے لئے وہ کتنا کوشاں ہے۔

کسی فارسی شاعر نے کہا تھا

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں از گشتہ نظر
یک لحظہ غافل چوں شدم صد سالہ راہم دور شُد

کہ میں محبوبہ کے محمل کے ساتھ جا رہا تھا پاؤں میں کانٹا چبھا اور میں رک گیا کہ پاؤں سے کانٹا نکالوں اور اتنی سی دیر میں محمل میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا ایک لمحے کی غفلت نے مجھے ایک صدی پیچھے ڈال دیا۔ اب میں سو سال بھاگتا رہوں تو ممکن ہے محمل کو پکڑ سکوں ورنہ جتنا میں چلوں گا اتنا وہ آگے جا چکا ہو گا ایک لمحے کی غفلت نے مجھ میں اور میرے محبوب کے درمیان فاصلے حائل کر دیئے۔

اللہ کریم نے ان آیات میں عظمت رسالت سے محرومی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ بندے غافل ہو جاتے ہیں۔ غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں ہمارے لئے سبق یہی ہے کہ ہم خود کو دیکھیں کہ ہم دن بھر کتنی غفلت کا شکار رہے اور اللہ کی یاد کی طرف کتنے متوجہ رہے۔ مومن کے ہر کام کے ساتھ یاد الٰہی وابستہ رہتی ہے۔ کہیں مسلمان اکٹھے ہوں تو السلام علیکم کہتے ہیں بسم اللہ الحمد للہ جیسے آداب سے اپنی محفلوں کو مزین رکھتے ہیں کام کرتے ہوئے یہ احساس کہ یہ شرعاً جائز نہیں یہ بھی ذکر الٰہی ہے اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضا اور اسکی ناراضگی کا احساس رہے اور گفتگو میں احتیاط برتی جائے۔ اللہ کی بارگاہ میں اپنے اعمال کے پیش ہونے کا احساس رہے تو یہ ذکر ہے۔ اور دل کی ہر دھڑکن کو اللہ کی یاد سے معمور رکھنا دل کی حیات ہے اسکی زندگی ہے۔ غفلت دل کی مدہوشی ہے اسکی موت کی طرف لے جاتی ہے غضب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

اللہ کریم ہمیں شعور بھی دے سمجھ بھی دے توفیق عمل بھی دے ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائے۔ دنیا کی زندگی، موت اور مابعد الموت میں ہر لحہ غفلت سے بچائے اور اپنی یاد کی توفیق ارزاں فرمائے رکھے۔ آمین

سوال و جواب

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 19-07-2007

سوال :- جولوگ دارالعرفان میں تربیت حاصل کرنے کے لئے دور دراز سے سفر کر کے آتے ہیں خصوصاً دوسرے ممالک سے یہاں بغرض تربیت حاضر ہوتے ہیں تو کیا دارالعرفان کے علاوہ دوسرے شہروں کے مجازین کو اجازت ہے کہ وہ اپنے شہروں میں انکی تربیت کے سلسلے میں انکے مراقبات آگے کرواتے رہیں جبکہ اس سلسلے میں نہ تو دارالعرفان سے مشورہ کیا جائے نہ کسی مجاز سے؟۔

جواب :- مزے دار سوال ہے۔ مجازین کو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ مراقبات کرا دینا کیا ہے؟ مراقبات سے مراد یہ ہے کہ آدمی کی عملی زندگی میں کیا تبدیلی آ رہی ہے۔ بزرگان دین دو دو سال ایک لطیفے پر لگواتے تھے چودہ سال میں سات لطائف سکھاتے تھے اس تربیت کا مقصد انکی عملی زندگی کا سدھرنا تھا صرف یہ کہہ دینا کہ ہمارے لطائف روشن ہو گئے یا صرف مراقبہ کرا دینا تو کافی نہیں اصل چیز تو کردار میں عمل میں بہتر تبدیلی لانا ہے۔ ہر صاحب مجاز کو لطائف کراتے ہوئے مراقبات کراتے ہوئے یہ دیکھنا ہے کہ جو لوگ اس کے زیر تربیت ہیں ان کو جو مراقبہ کرایا گیا ہے ان کی عملی زندگی میں اس کے کیا اثرات ہوئے ہیں اگر بہتری نظر آئے تو اگلا مراقبہ کرایا جائے اور اگر نہیں تو پہلے والے مراقبے پر ہی رہنے دے جب تک وہ مراقبہ اس کا حال نہ بن جائے۔

نبی کریم ﷺ کو ایک خادم وضو کروا رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ یہی خدمت اللہ کریم اُن سے جنت میں بھی لیتے رہیں اور یہ سعادت اللہ کریم انہیں جنت میں بھی عطا کر دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ''پھر میری مدد کرو تہجد کو لازمی کر لو'' دعا، ذکر، مراقبہ سب کچھ درست لیکن ان کے مطابق جب تک عمل نہ کیا جائے تو اس پر اجر مرتب نہیں ہوتا ایک آدمی ذکر کرتا ہے لیکن عمل درست نہیں کرتا تو اس کا مطلب ہے اس کے ذکر کرنے میں کمی ہے یا خلوص میں کمی ہے گویا محض ایکسرسائز ہو رہی ہے ذکر ہوتا تو اس کا اثر اس کے عمل پر آتا۔

مجازین کی یہ ذمہ داری ہے اور اس کا روز محشر جب جواب دینا پڑے گا تو پتہ چلے گا کہ کس ذمہ داری کو کس طرح مفادات پر قربان کر دیا جو لوگ باہر سے تشریف لاتے ہیں وہ اپنے کام سے وقت نکالتے ہیں آنے جانے پر کم وبیش انکے دو لاکھ خرچ ہو جاتے ہیں اور یہاں صاحب مجاز محض اس لئے مراقبات کراتا رہے کہ اسکی بزرگی مسلم ہو جائے یہ لوگ اس کے ساتھ وابستہ ہو جائیں کل کو اس کے بیٹے کو امریکہ انگلینڈ یا سپین لے جائیں گے اسکی مدد کریں گے تو نہ یہ دین ہے نہ دینی کام ہے اس میں خلوص کا شائبہ بھی نہیں ہے یہ مفادات کی حرص ہے سو کسی بھی دنیوی لالچ میں آ کر اس طرح کا کام نہیں کرنا چاہیے ایک ضمنی بات یہ بھی ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ باہر بیٹھے ہیں وہ بہت عیش کر رہے ہیں پیسہ کمانا کہیں بھی آسان نہیں نہ یہاں نہ باہر بلکہ باہر اس سے زیادہ محنت سے حاصل ہوتا ہے یہاں تو لوگ نوکری کر کے بغیر کام کیے تنخواہ وصول کر لیتے

ہیں باہر کام پورا اور مشقت پوری کروائی جاتی ہے۔ میں نے خود پچھتر سالہ خواتین کو ڈیپارٹمنٹل سٹور میں کیش کاؤنٹر پر سارا دن کھڑا رہ کر کماتے دیکھا ہے نہ اس کے پاس بیٹھنے کی فرصت ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی کرسی رکھی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ بغیر کام کیے امریکہ میں کچھ نہیں ملتا۔ جو لوگ باہر ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ کس قدر مشکل زندگی گزار رہے ہیں لہٰذا صاحب مجاز حضرات کو احتیاط کرنا چاہیے کہ جو لوگ ان سے وابستہ ہیں اور انکے زیر تربیت ہیں انکی عملی زندگی کی تبدیلی کے مطابق انہیں آگے چلائیں ایک آدمی نماز بھی باقاعدہ نہیں پڑھتا دو دن وہ صاحب مجاز کیساتھ رہتا ہے اور صاحب مجاز اسے مراقبات کروا دیتا ہے تو یہ درست نہیں مجازین کو یہ دیکھنا چاہیے کہ مراقبات کرنے سے مراد یہ ہے کہ آدمی کی زندگی میں کتنی تبدیلی عملاً آئی ہے جس طرح ہم حکمرانوں کو کہتے ہیں کہ میدان حشر میں سولہ کروڑ آبادی کا حساب انہیں دینا پڑے گا اسی طرح مجازین کو بھی وہاں جواب دینا پڑے گا کہ لوگ تو پیسہ خرچ کر کے وقت نکال کر تربیت کے لئے آئے اور مجازین نے اپنے خلوص میں کمی کے باعث یا کسی دنیاداری کے لالچ میں آ کر یا کسی وجہ سے انکی تربیت میں کوتاہی کی تو جس گھڑی پر کوئی اپنے ذاتی جواب سے گھبرا رہا ہوگا اس وقت اس مخلوق کے حق میں کی گئی کوتاہی کا جواب دینا آسان نہیں ہوگا۔ مراقبات کا مقصد عملی زندگی میں کردار کا ہے مولانا احمد علی لاہوریؒ بہت پائے کے ولی اللہ تھے اپنے زمانے کے ''قطب ارشاد'' تھے یعنی اپنے دور کے چار سر بلند لوگوں میں سے ایک تھے لیکن وصال کے بعد کوئی ایک بندہ بھی ایسا نہیں چھوڑ گئے جسے انہوں نے لطائف کروائے ہوں۔ کیوں؟ وہ خود فرماتے ہیں میں نے چالیس سال میں سیکھا ہے کوئی چار سال کے لئے فارغ ہو کر میرے پاس آ جائے سکھا دوں گا لیکن چار سال کے اخراجات بیوی بچوں کو دے کر آئے اپنا چار سال کا خرچہ لیکر آئے اور میری شرائط پر ذکر و فکر کرتا رہے۔ نہ کسی نے یہ شرط پوری کی نہ اُن سے یہ حاصل کیا۔ حضرتؒ کے پاس بھی بالکل یہی عالم تھا عوام کو نہیں بتایا جاتا تھا ہم چار پانچ افراد تھے بلکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک اچھی عادتوں والا شخص میں نے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا کہ اسے بھی حلقہ ذکر میں لے لیں تو آپؒ نے انکار فرما دیا کہ نیک ہوگا لیکن ہم سے یہ بوجھ نہیں اٹھایا جاتا۔ میدان حشر میں تربیت کی کمی کوتاہی کا احساس اور احساس ذمہ داری کتنا بڑا بوجھ ہے اندازہ کیا جا سکتا ہے پھر غالباً سال ڈیڑھ سال بعد اُسے حلقے میں لیا۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ لوگ ذکر تو کر لیتے ہیں لیکن عملی زندگی میں تبدیلی نہیں لاتے۔ اسے ایک عجیب چیز سمجھ کر اس میں شامل ہو جاتے ہیں کسی کو کشف قبور کا شوق ہوتا ہے تو کسی کو مشاہدات و کشف کا۔ اس کے اصل مقصد کے لئے طلب صادق ہونا ضروری ہے اور مجازین کی تربیت یہی ہے کہ اپنے خلوص کے لئے بھی محنت کی جائے اور زیر تربیت افراد کو بھی طالب صادق بنائے جانے کے لئے محبت و خلوص کیساتھ ترغیب دلائی جائے محنت کی جائے تربیت کی جائے۔

ایسے لوگ جو تماشا سمجھ کر اس میں شامل ہو جاتے ہیں وہ اس بارے میں سنجیدہ نہیں ہوتے۔ ایک مرتبہ میرے ڈیرے پر حضرتؒ تشریف فرما تھے کہیں سے ایک شخص آیا اور مجھ سے کہنے لگا حضرتؒ سے عرض کریں کہ مجھے بھی اپنے حلقے میں شامل کر لیں میں نے اس سے پوچھا تم حلقے میں کیوں شامل ہونا چاہتے ہو؟ کہنے لگا جن تنگ کرتے ہیں اُن سے بچنا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا جن کیا تنگ کرتے ہیں کہنے لگا رات بھر سونے نہیں دیتے میں نے کہا یہ تکلیف تو یہاں بھی برابر ہے رات کو یہ بھی سونے نہیں دیتے تو تمہاری

تکلیف تو یہاں بھی ٹھیک نہیں ہوگی اُدھر تمہیں جن جگائے رکھتے ہیں یہاں یہ جگائے رکھیں گے۔ پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ ہم علاج کر دیں گے نقش دے دیں گے جنات کی تکلیف انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گی لیکن حلقہ ذکر میں نہیں لیں گے کیونکہ یہ مقصد ذکر نہیں ہے کہ بندہ اس لئے ذکر کرے کہ جن اُسے چھوڑ دیں۔ اس طرح اس کا علاج تو کیا لیکن حلقہ ذکر میں شامل نہیں کیا۔ لیکن بعد میں یہ صورت بدل گئی اور اسے عام کر دیا گیا۔ یہ عام کیوں ہوا؟ اس لئے کہ گمراہی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی لوگ روایتی پیروں کے چنگل میں پھنستے جا رہے تھے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ ہر کسی کو ذکر سکھاؤ کہ اور کچھ نہیں تو ساتھ رہنے سے کم از کم عقائد کی اصلاح ہو جائے گی کچھ نہ کچھ اصلاح کردار کی بھی ہو جائے گی یہ معاملہ ستر کے آخر تک یونہی جاری رہا ۱۹۸۰ء کے لگ بھگ حضرتؒ نے بیعت ظاہری لینا شروع کی اور اس کا سبب بھی یہی بنا کہ لوگ جاہل پیروں کے ہاں جانے سے بدعقیدہ ہو رہے تھے حلال حرام کی تمیز اٹھ گئی تھی لوگ خانہ پُری کے لئے بیعت ہو جاتے اور پھر تباہ ہو جاتے تو عوام الناس کو اس سے بچانے کے لئے انہیں بیعت کرنا شروع کر دیا کہ وہ ذہنی طور پر کسی ایک جگہ وابستہ ہو جائیں تو کم از کم عقائد درست ہو جائیں گے۔

نیکی کی کوئی بات تو ان تک پہنچے گی اس طرح سے ظاہری بیعت عام ہو گئی اور ذکر سکھانے کی شرائط اور پابندیاں بھی ہٹا لی گئیں ورنہ یہ پابندیاں ہم نے دیکھی ہیں اور ہم پر بھی تھیں لیکن حقیقت یہی تھی اور آج بھی یہی ہے کہ ذکر سے مراد انسان کے کردار کی تبدیلی ہے مجازین کے لئے ضروری ہے کہ وہ دیکھیں کہ ایک شخص کو لطائف کرائے پہلے وہ نمازی نہیں تھا اب نمازی ہو گیا پھر تہجد پڑھنی شروع کر دی تو اسے اب مراقبات ثلاثہ کروا دیں لیکن اگر وہ تہجد کے لئے نہیں اٹھتا صرف پانچ نمازوں پر ہی رہتا ہے تو اسکے لئے پھر لطائف کے اسباق ہی کافی ہیں اُسے یہیں رہنے دیں۔ اسکی عمر بھر کے لئے کافی ہیں پھر اسکی عملی زندگی دیکھیں اگر حلال حرام کی تمیز کرتا ہے جائز ذرائع سے کماتا ہے جائز طریقے سے خرچ کرتا ہے تو جتنا جتنا وہ شریعت پر عمل کرتا جائے اُسی قدر اس کے اسباق بڑھائے جائیں ورنہ اس کا جواب بھی روز حشر دینا پڑے گا کہ عملی زندگی میں تبدیلی کے بغیر مراقبات کروا دیئے گئے اور لوگوں کیساتھ یہ دھوکہ کیا گیا کہ تم فنافی الرسول ہو تم فنافی اللہ ہو۔

فنافی الرسول کے مفہوم پر غور کر لیجئے۔ فنافی الرسول کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ ذات اقدس ﷺ کے سامنے نابود ہو گیا وہ نہ تو حضور ﷺ کی منشاء کے خلاف کچھ سوچتا ہے نہ بولتا ہے اور نہ ہی کوئی کام کرتا ہے۔ پھر جب کسی شخص کی عملی زندگی میں تبدیلی نہیں آتی اور ہم اسے کہہ دیتے ہیں کہ تم فنافی الرسول ہو گئے تو وہ تو مطمئن ہو جائے گا کہ عملی زندگی میں تبدیلی نہ بھی آئی تو خیر ہے مراقبات پھر بھی ہو سکتے ہیں تو اللہ کے آگے اس کا جواب کون دے گا؟ مجازین کو اس معاملے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے اور جو لوگ باہر سے آتے ہیں وہ بیچارے تو وقت بھی مشکل سے نکالتے ہیں اور پیسہ بھی بہت خرچ کر کے آتے ہیں ان سب باتوں کا احساس کرنا چاہیے۔

سوال :- یہ سوال اُردو انگریزی اور پنجابی میں لکھا گیا ہے اسی طرح کی بعض ای میلز بھی آتی ہیں اور رومن اُردو میں لکھی ہوتی ہیں۔ ایسی تحریر پڑھنا مشکل ہے اور نہ ہی ایسا کرنا میرا مزاج ہے اس سے بہتر ہے کہ صرف انگریزی میں ہی لکھا جائے۔ یہ سوال بھی پنجابی سے شروع کیا گیا ہے وارث شاہ کے شعر کو پنجابی میں لکھا ہے اور علامہ

اقبال کا اُردو کلام ہے ''کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں'' پھر اُردو ادب کے حوالے سے حضرت یوسف وزلیخا اور حضرت سلیمانؑ کا گھوڑوں کے معائنے میں محو ہو کر نماز قضا کرنے سے عشق مجازی کے لئے دلیل کا حوالہ ہے اور عشق مجازی سے عشق حقیقی کا تذکرہ ہے' تصوف میں تصور شیخ کے مقام کے متعلق پوچھا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک صوفی کے نقطہ سے مندرجہ بالا امور پر روشنی ڈال کر عالم شعر وادب اور دنیائے تصوف پر احسان فرمائیں۔ مجاز اور حقیقت کا آپس میں تعلق کیا ہے اور فنافی الشیخ کیا عشق مجازی کی کوئی کیفیت ہے؟ کیونکہ بہر حال ایک ہستی ظاہر ہے لہذا فنافی الشیخ کی کیفیت کہاں تک درست ہے اور کہاں سے غلو شروع ہو جاتا ہے؟۔

جواب :- جہاں تک شعراء کا تعلق ہے قرآن حکیم میں اللہ کریم نے فرمایا ہے فی کل وادٍ یھیمون ○ وانھم یقولون ما لا یفعلون ○ الشعراء آیات ۲۲۵۔۲۲۶ کہ یہ ہر وادی میں جھانکتے ہیں جہاں کام ہو یا نہ ہو اور جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں عمل زبان کا ساتھ نہیں دیتا سو شعراء خواہ وارث شاہ ہوں یا اقبالؒ اگر وہ سچی بات کہتے ہیں شریعت کے مطابق کہتے ہیں تو درست اس سے باہر کہتے ہیں تو یہ اُن کا شاعرانہ تخیل ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں کسی شاعر اور ادیب کے شہ پارے کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ شریعت کے اندر نہ آ جائے البتہ علماء حق جب بات کرتے ہیں تو وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حوالے سے کرتے ہیں اور علماء حق کی بات بھی اسی لئے دلیل بنتی ہے کہ وہ بارگاہ نبوت کے غلام اور اُن کے قاصد ہوتے ہیں آپ ﷺ کے ارشادات ہم تک پہنچاتے ہیں۔ اُن کی عزت اور اُن کا احترام بھی اسی حوالے سے کیا جاتا ہے ورنہ کسی کی ذاتی بات کی کوئی حیثیت نہیں کہ جس کے ذہن' تجربے یا مشاہدے میں جو کچھ آیا اس نے وہ کہہ دیا اور وہ دلیل بن گئی۔ ایسا نہیں ہے۔

حضرت یوسفؑ اور زلیخا کے قصے کی حقیقت بھی قرآن میں موجود ہے کہ حضرت یوسفؑ اللہ کے نبی تھے اور نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے زلیخا نے انہیں دعوت گناہ دی لیکن وہ اس سے دور رہے۔ اس سارے قصے میں رنگ آمیزی کر کے اور اصلاً بھی بے بنیاد باتیں شامل کر کے اس میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو چکی ہیں اول تو یہ کہ زلیخا کی شادی حضرت یوسفؑ سے نہیں ہوئی وہ ایک شادی شدہ خاتون تھی آپؑ جب قید ہو کر گئے تو نوعمر جوان تھے آپؑ کے جیل سے رہا ہونے تک وہ بوڑھی ہو چکی تھی اور حضرت یوسفؑ کی زوجہ محترمہ کا نام بھی یہ نہیں بلکہ کچھ اور تھا۔

دوسری نہایت اہم بات یہ ہے کہ انبیاء معصوم عن الخطا ہوتے ہیں اور نفسانی خواہش میں کوئی گناہ اُن سے سرزد نہیں ہوتا۔ وما اُبری نفسی یہ زلیخا کا قول ہے جسے ترجمہ کرنے والوں نے حضرت یوسف کا قول کہا ہے جو انبیاء کی شان کے خلاف ہے۔

اس محفل میں علماء حضرات تشریف رکھتے ہیں قرآن حکیم کے بیان کرنے کی ترتیب پر غور فرمائیں۔ حضرت یوسفؑ کے ساتھ جیل میں ایک قیدی تھا جو رہا ہو رہا تھا حضرت یوسفؑ نے اس سے کہا کہ بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا لیکن شیطان نے اُسے یہ بات بھلا دی اور حضرت یوسفؑ جیل میں ہی کئی سال رہے۔ اس دوران بادشاہ نے خواب دیکھا اور اپنے معززین سے تعبیر پوچھی تب اس شخص کو حضرت یوسفؑ یاد آئے کہ وہ بہترین تعبیر بتا سکتے ہیں وہ

شخص حضرت یوسفؑ کی خدمت میں پہنچا اور تعبیر پوچھی انہوں نے جو تعبیر بتائی وہ واپس آ کر اس نے بادشاہ کو بتائی تو بادشاہ نے کہا وقال الملک ائتونی بھٖ اس بندے یعنی حضرت یوسفؑ کو میرے پاس لے آؤ فلما جاءہُ الرسول . جب قاصد حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا قال ارجع الی ربک اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ جس بات پر مجھے اتنا عرصہ قید رکھا ہے اس میں مجرم کون ہے اور میرا اس میں گناہ کیا تھا اُن عورتوں کو بلا کر تفتیش کرو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے ان ربی بکیدھن علیمٌ' میرا رب تو ان کے مکر سے واقف ہے چنانچہ بادشاہ نے زلیخا سمیت امراء کی ان عورتوں کو طلب کر لیا اور پوچھا قال ماخطبکُن اذ راودتُن یوسف عن نفسہٖ کیا واقعہ تھا جب تم نے حضرت یوسف کو دعوت گناہ دی قلن کہنے لگیں حاش للہ ۔اللہ کی پناہ ما علمنا علیہ من سوء. ہم نے حضرت یوسفؑ میں کوئی بُرائی نہیں دیکھی وہ بالکل پاک دامن اور معصوم ہیں اس وقت عزیز کی بیوی زلیخا کہنے لگی۔ قالت امراتُ العزیز النَ حصحص الحق. اب تو بات صاف ہوگئی۔ انا راودتہ' عن نفسہٖ میں نے اسے دعوت گناہ دی تھی۔ میرا ہی قصور تھا۔ وانہ' لمن الصٰدقین ۔ بیشک یوسفؑ صادقین میں سے ہیں۔ یہی بات یہاں سمجھنے کی ہے کہ حضرت یوسفؑ تو ابھی جیل میں ہیں بات زلیخا کی بادشاہ کے دربار میں ہو رہی ہے اسی کی بات جاری ہے ذالک لیعلمُ انی لم اخنہُ بالغیب. وہ کہہ رہی ہے یہ بات میں اس لئے کر رہی ہوں کہ حضرت یوسفؑ کو پتہ چل جائے کہ میں نے انکی پیٹھ پیچھے بھی خیانت نہیں کی اور سچی بات کہہ دی اور یہ پکی بات ہے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ابھی زلیخا کی بات چل رہی ہے وہ کہتی ہے وما اُبری نفسی میں اپنے آپ کو پاک نہیں کہتی ان النفس لا مارہ بالسوءِ بیشک نفس بُرائی کا حکم کرتا ہے الا ما رحم ربی سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ رحم کرے ان ربی غفورٌ رحیمo میرا رب بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

یہ ساری گفتگو زلیخا کی ہے جسے ترجمہ کرنے والوں نے حضرت حضرت یوسفؑ کے ذمے لگا دیا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے نفس کو بری اور پاک نہیں کہتا اور اسی آیت کے خلاصے میں یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری نگاہ اور میرے نفس کا یہ ذاتی کمال نہیں بلکہ رحمت الٰہیہ کا اثر ہے وہ عمل بالسوء نہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم کی آیات واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ حضرت یوسفؑ جیل میں ہیں بادشاہ نے انہیں بلانے کے لئے قاصد بھیجا ہے حضرت یوسفؑ نے یہ کہہ کر قاصد واپس بھیج دیا ہے کہ میں نہیں آتا پہلے بادشاہ سے کہو اس معاملے کی تحقیق کرے کہ کون گنہگار تھا اور کسے جیل میں ڈالا گیا ہے بادشاہ نے ان خواتین کو اور عزیز مصر کی بیوی کو بلایا ان خواتین نے حضرت یوسفؑ کی پاکبازی کی شہادت دی اور زلیخا عزیز مصر کی بیوی نے اعتراف جرم کیا اپنے بارے میں کہا وما ابُری نفسی میں اپنے نفس کو پاکباز نہیں کہتی اس لئے کہ نفس یقیناً بُرائی کا حکم کرتا ہے مجھ سے غلطی ہوئی اور اُن کا نفس بُرائی کا حکم نہیں کرتا جن پر اللہ کا رحم ہو۔ یعنی حضرت یوسفؑ کو لے آؤ تب حضرت یوسفؑ جیل سے باہر تشریف لائے فلما کلمہٗ جب بادشاہ نے ان سے بات کی تو ان سے کہا قال انک الیوم لدینا مکین امین ۔ کہ تم آج سے ہمارے پاس معزز' امانتدار' ذمہ دار ہو ۔حضرت یوسفؑ نے فرمایا قال اجعلنی علی خزآئن تم مجھے اپنی وزارت خزانہ دے دو۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس آدمی میں جو قابلیت ہو وہ بوقت ضرورت جب اسے ذمہ داری دی جا رہی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ یہ ضرور بتائے کہ یہ کام وہ کر سکتا ہے

اس سے یہ کام لیا جائے تا کہ کام اہلیت کے مطابق لیا جائے۔
یہ سارا قصہ قرآن حکیم میں اس طرح مذکور ہے باقی قصہ گو لوگوں نے جو خرافات اس واقعے سے وابستہ کر رکھی ہیں وہ بے بنیاد ہیں انکی کوئی اصل نہیں نہ کوئی سند ہے۔

سوال کا اگلا حصہ تصور شیخ کے بارے ہے کہ یہ بات کہاں سے شروع ہوئی اور کیوں شروع ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ سلاسل تصوف میں سارے لوگ اس قوت کے حامل نہ رہے کہ محض القاء سے محض قلبی تعلق سے اگلے کا دل روشن کریں تو علماء نے ایک نسخہ ایجاد کیا علماء سے میری مراد اہل اللہ یعنی صوفی علماء ہیں انہوں نے یہ نسخہ تجویز کیا کہ پہلے تصور شیخ کرو کہ میں شیخ کے سامنے بیٹھا ہوں یا میرا شیخ میرے سامنے ہے جب یہ تصور پختہ ہو جائے تو پھر اسم اللہ کا تصور کرو اسکی بھی مختلف صورتیں تھیں کسی نے کہا دل پر انگلی سے اللہ لکھو کسی نے کہا پیشانی پر لکھو کسی نے کہا اپنے سامنے لکھا ہوا تصور کرو۔ یہ سارے طریقے ان کے لئے تھے جو براہ راست توجہ دیکر قلب کو منور نہیں کر سکتے تھے۔ ہمارے سلسلہ عالیہ میں یہ سرے سے منع ہے نسبت اویسیہ میں اسکی ضرورت نہیں نہ اس کا کوئی جواز ہے نہ اسکی اجازت ہے کیونکہ اس میں خطرہ یہ ہے کہ بندہ تصور شیخ میں کھو کر نہ رہ جائے اور شرک کا مرتکب ہو کر مرے۔

جن سلاسل میں یہ کروایا جاتا ہے ان کی مجبوری ہو گی لیکن بہر حال اس میں خطرہ ہے۔ شیخ بھی ایک انسان ہے کسی انسان کو ہر جگہ تصور کر کے بیٹھ جانا کہ وہ میرے سامنے ہے درست نہیں نہ اس کا جواز بنتا ہے خواہ نیک ارادے سے بھی کیا جائے۔ نسبت اویسیہ اس قوت کی حامل ہے کہ یہاں کسی چیز میں تصور نہیں۔ ہمارے ہاں مراقبات میں بھی تصور کرنا جائز نہیں۔ مراقبہ وہی درست مانا جاتا ہے جو واقعتاً سمجھ میں آئے اور بندہ خود بیٹھ کر نہ سوچے کہ میں یہ دیکھ رہا ہوں اس طرح تو کچھ بھی سوچنا شروع کر دیں تو قوت متخیلہ کوئی نہ کوئی نقش بناتی رہے گی مراقبہ وہ درست ہے جس میں اس مقام کی کیفیات ہوں اور اتنی مضبوط ہوں کہ زندگی کو متاثر کریں۔

اب بات آ گئی، عشق مجازی اور عشق حقیقی کی تو یہ دو الگ الگ باتیں ہیں اور دونوں کی اپنی اپنی حدود ہیں۔ عشق مجازی ہماری ضرورتوں میں سے ایک ضرورت ہے جس طرح کھانا پینا اور نیند ہماری ضرورت ہے اسی طرح نسل انسانی کی بقاء کے لئے دو انسانوں کا مل کر زندگی گزارنا اور نسل انسانی کو باقی رکھنا نوع انسانی کی ایک ضرورت ہے مرد اور خاتون میں جنس کی مختلف ''فریکونسیز'' رکھی ہیں ہر وجود سے ایسی لہریں اٹھتی ہیں جنکی وہ ''فریکوینسیز'' مل جائیں وہ دو لوگ آپس میں رغبت رکھتے ہیں اور یہ عمل نگاہوں کے ذریعے انجام پاتا ہے اس لئے اللہ نے مردوں کو اور عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے خواتین کے لئے بدن ڈھانپنے کا حکم بھی آیا ہے فرمایا یدنین علیھن من جلا بیبھن. احزاب آیت ۸۹۔ کہ اپنی چادر کو کھینچ لیا کریں تا کہ نگاہ آوارہ نہ پھرتی رہے اور نہ نگاہیں کسی سے ملیں نہ مائل ہوں کہ ہو سکتا ہے نامحرم مرد اور نامحرم عورت کی نگاہیں مل گئیں تو وہ گناہ کے مرتکب ہو جائیں یغضضن من ابصارھن۔ (سورۃ نور آیت ۳۱) مرد اور خواتین کے لئے یہی حکم ہے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں۔

جسے ہم نے عشق مجازی کا نام دے رکھا ہے یہ بقائے نسل انسانی کی ایک ضرورت ہے اور ضروریات زندگی پورا ہونا معمولات زندگی ہیں لازمی عادات ہیں جس طرح کھانا پینا لازمی ضرورت ہے سونا لازمی ضرورت ہے لباس لازمی ضرورت ہے اسی طرح بقائے نسل بھی لازمی ضرورت ہے تو اگر روٹی سے عشق نہیں، پانی سے عشق نہیں، نیند اور لباس سے عشق نہیں تو عشق مجازی بھی عشق نہیں۔ یہ سب

ضرورتیں ہیں اوران کا پورا کرنا معمولات زندگی سے ہے۔ہاں اگر میاں بیوی کی بات بن گئی تو یہ سب سے اچھی محبت ہے سب سے اچھا عشق ہے کہ زندگی سہل ہو جاتی ہے اولاد کی تربیت اچھی ہوتی ہے۔خاندان پھلتا پھولتا ہے اور جہاں بات بگڑ جاتی ہے وہاں ایک پورا خاندان متاثر ہوتا ہے۔ایسے بھی بے شمار میاں بیوی ہیں جن کو آپس میں بے پناہ محبت ہے یہ ضروری نہیں کہ اخباروں میں آئے تو پتہ چلے گا ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جن لوگوں کی ''فریکونسیز'' مختلف ہوتی ہیں اور اُن کا آپس میں نکاح ہو جاتا ہے تو پھر وہ بیچارے زندگی تو گزارتے ہیں لیکن لڑتے جھگڑتے ہی گزارتے ہیں زمینداری میں اس بات کا تجربہ ہوتا ہے کہ جب بیلوں کے ساتھ ہل چلائیں تو جو دو بیل ایک طرف کو کھینچتا ہے اور دوسرا دوسری طرف کو اگر وہ آپس میں یکسو ہو جائیں اور مل کر زور لگائیں تو کام آسان ہو جاتا ہے اور خوش اسلوبی سے ہو جاتا ہے۔سو جو چیزیں حیات انسانی کے ساتھ لازمی بن گئی ہوں انہیں عشق نہیں کہا جا سکتا یہ بدنی ضروریات میں سے ایک ضرورت ہے جیسے کھانا، پینا، مکان بنانا سردی گرمی سے بچانے کے لئے ایک چھت کی ضرورت ہے لباس بدن کی ضرورت ہے اسی طرح بقائے نسل انسانی کی خواہش بھی ایک ضرورت ہے مدنی الطبع ہونے کے باعث مل بیٹھنا دکھ سکھ بانٹنا بھی ایک فطری ضرورت ہے آپس میں رجحان ہو جائے تو دونوں مل کر زندگی گزارتے ہیں اسے عشق نہیں کہہ سکتے۔عشق وہ کیفیت ہے جو کسی کو اپنے مالک کے ہونے کا احساس ہو جائے اسکے احسانات کا ادراک ہو جائے اور بندہ اللہ کی محبت میں گرفتار ہو جائے۔عشق بس یہی ہے۔یہ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔

عشق مجازی سے عشق حقیقی بڑا خطرناک کھیل ہے۔اس لئے فنافی الشیخ اور تصور شیخ ہمارے سلسلے میں قطعاً منع ہے ایک شخص کو تصور شیخ پر لگا دیں کیا پھر اس سے نکال بھی سکیں گے نہ نکال سکے تو وہ آپ کو بھی لے ڈوبے گا اسی طرح بعض صوفیوں نے کہا کہ پہلے عشق مجازی کرواؤ پھر اس کا ازالہ نہ کرو حمالہ کرو یعنی اسے اللہ کی طرف سے پلٹ دو لیکن یہ کھیل نہیں ہے کہ پہلے کسی مرد و خاتون کو عشق کرا دیں پھر ان کا آپس میں عشق چھڑوا کر اللہ سے عشق کروا دیں یہ کہنا آسان ہے عملاً کروانا آسان نہیں وہ بندہ اسی میں مر جائے گا اور آپ جواب دہ ہوں گے تو ہمارے ہاں یہ تصور نہیں۔

آپ نے سوال کیا ہے کہ تصور شیخ کہاں تک درست ہے اور کہاں سے غلو شروع ہوتا ہے۔ہم کہتے ہیں یہ سرے سے غلط ہے یہ آگ سے کھیلنے کے مترادف ہے درست ہی نہیں تو غلو کا کیا مطلب یہ کم قوت والے لوگوں کی ایجاد ہے خواہ اسے کسی بڑے نام کیساتھ لکھ دیا جائے بہر حال فن تصوف میں یہ کمزوری ہے ایک محاورہ ہے کہ بڑے لوگوں کی غلطیاں بھی بڑی ہوتی ہیں۔اگر کسی بڑے آدمی نے بھی تصور شیخ کرنے کا نسخہ تجویز کیا تو یہ ایک بڑے آدمی کی بڑی غلطی ہو سکتی ہے انکے علمی مقام انکی خوبیوں کے بے حد احترام کیساتھ یہ بات کہنا بھی ضروری ہے کہ کسی بھی انسان کو کسی دوسرے انسان کے تصور پر لگا دینا یہ ایک بڑے آدمی کی بڑی غلطی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ اسکی کوئی حیثیت نہیں اور یہ خطرہ ہم کبھی مول نہیں لیتے کہ کسی کا اللہ سے تعلق بنے یا نہ بنے ہم اس کا تعلق غیر اللہ سے جوڑنے کی غلطی نہیں کریں گے۔

سوال:- علم نجوم، علم فلکیات، علم دست شناسی وغیرہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ علوم برحق ہیں؟ اسلام اُن کو کس نظر سے دیکھتا ہے اسی ضمن میں پیشین گوئی اور قیاس آرائی کی کیا حیثیت ہے؟۔

جواب۔ یہ سب علوم وفنون ہیں ان میں جو اندازہ لگایا جاتا ہے وہ

درست بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی ہوسکتا ہے ان پر یقین کر لینا انہیں حتمی سمجھنا کفر اور شرک بن جاتا ہے۔ جس طرح ایک حکیم نبض پر ہاتھ رکھتا ہے اور بدن میں بیماری اور اسکی وجوہات بھی جان لیتا ہے اور بتا بھی دیتا ہے کہ یہ بیماری ہے اسکی وجہ یہ ہے اور یہ بھی کہ کس غذا کے ناموزوں استعمال کے باعث یہ بیماری لاحق ہوئی ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ طبیب کے پاس علم غیب ہے بلکہ نبض کی دھڑکن چار چیزوں کے بارے علم دیتی ہے گرمی' سردی' بادی اور سوداء اور اسے اصطلاح طب میں تین دھڑکنیں گنتے ہیں وات۔ پت۔ طف۔ نبض پر تین انگلیاں رکھ کر یہ تین دھڑکنیں گنتے ہیں وات سے مراد بادی یا ہوا کا اثر ہے پت سے مراد گرمی اور طف سے مراد سوداء ہے نبض پر ہاتھ رکھنے سے یہ تینوں اور انکی حرکت محسوس ہوتی ہے جیسے کوئی سارنگی نواز فنکار جانتا ہے کہ کس جگہ انگلی رکھنے سے کون سا سُر نکلتا ہے اور کس کو زیادہ واضح کرنا ہے اسی طرح نباض کو بھی انگلیوں کے نیچے خفیف سی حرکت کی تبدیلی گرمی' سردی' ہوا اور سوداء کا پتہ دیتی ہے اور طبیب بتا دیتا ہے کہ مریض نے ضرورت سے زیادہ آم کھالئے تو طبیب کو کیسے پتہ چل گیا آم تو کئی دن پہلے کھائے تھے کیا طبیب عالم الغیب بن جائے گا۔ نہیں، یہ اندازہ ہے درست بھی ہوسکتا ہے غلط بھی ہوسکتا ہے اسی طرح ڈاکٹر کا میڈیکل علم ہے وہ اپنی سوجھ بوجھ تجربے مشاہدے کی بناء پر اعضا کو چیک کر کے کسی بیماری کی تشخیص کرتا ہے اسکی تشخیص غلط بھی ہوسکتی ہے درست بھی ہوسکتی ہے اور اب تو مشینیں آ گئی ہیں لیبارٹری کے ذریعے ٹیسٹ ہوتے ہیں انکے نتائج بھی حتمی نہیں ہوتے اور علم قطعی نہیں ہوتا۔ اندازہ ہوتا ہے اس لئے لیبارٹری بدل کر ٹیسٹ کروائے جاتے ہیں۔ جس طرح یہ علوم اندازے ہیں اسی طرح علوم نجوم فلکیات' دست شناسی بھی اندازے کی مختلف صورتیں ہیں مجھے خود بھی ان سب میں شُد بد ہے لیکن شریعت کے مطابق ان کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا درست ہے کہ ستارے ہوں یا ہاتھ کی لکریں یہ سب اللہ کے دست قدرت میں ہیں آج ایک لکیر ہاتھ میں ہے ہفتہ بعد مٹ سکتی ہے دوسری بن سکتی ہے۔ ستارے بھی کسی کے قیدی نہیں اور ان تمام علوم کے ذریعے اللہ کے کسی فیصلے کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صرف اندازے ہیں انہیں اسی حد پر رکھا جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن انہیں یقینی سمجھنا کفر اور شرک بن جاتا ہے اس سے لازماً بچنا چاہیے۔

ہلاکو خان کے پاس ایک نجومی آیا جو اپنے فن کا باکمال تھا اس نے ہلاکو کو مرعوب کرنا چاہا ہلاکو نے پوچھا کہ اپنے علم کے ذریعے اگر تم مجھے یہ بتاتے ہو کہ اس جنگ میں' میں ہارنے والا ہوں تو کیا تم صرف اطلاع ہی دیتے ہو یا میری شکست کو فتح میں تبدیل بھی کر سکتے ہو۔ اس نے کہا آپ کی بات کا جواب میں کل دوں گا آپ کل میری یہ شرط پوری کر دیں کہ جب سب لوگ دربار میں اپنی مقررہ نشستوں پر بیٹھ جائیں تو اوپر کی منزل سے ایک شخص ایک وزنی تھال آپ کے دربار میں گرا دے لیکن اس کا علم آپ کو مجھے یا اس تھال گرانے والے کو ہی ہو۔ دوسرے دن ایسا ہی کیا گیا تو زوردار آواز سن کر ہر شخص بدحواس ہو گیا کسی نے تلوار سونت لی کوئی دروازے کی طرف بھاگا کوئی شور مچاتا رہ گیا سوائے ہلاکو' نجومی اور تھال گرانے والے کے سب ہی افراتفری کا شکار ہوئے۔ اس پر نجومی نے کہا یہی میرا علم ہے اور یہی اس کا فائدہ ہے کہ آپ پریشانی میں بھی بدحواس نہیں ہوتے۔ اس پر ہلاکو نے کہا کہ وہ جنگجو شخص ہے اور ویسے ہی بدحواس نہیں ہوا کرتا، حادثات اسکی زندگی کا حصہ ہیں۔ لہٰذا اس نے نجومی سے کہا اگر تم واقعات میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے تو مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔

ان علوم کی شرعی حیثیت یہی ہے کہ محض ایک فن کے طور پر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ایک اندازہ ہے غلط بھی ہوسکتا ہے اور اگر انہیں حتمی سمجھ کر ان پر یقین کیا جائے ان پر بھروسہ کیا جائے تو یہ شرک ہے اور ایمان کے خلاف ہے۔

تعلیمات نبوت اور برکات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو چیزیں لائے۔ ایک ہے تعلیمات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ کون ہے' اللہ کیسا ہے' اللہ کہاں ہے' اللہ کس بات پہ راضی ہے' اللہ کس بات پہ خفا ہے' حلال کیا ہے' حرام کیا ہے' کیا کرنا ہے' کیا نہیں کرنا' عبادت کیسے کرنی ہے' نماز کیسے پڑھنی ہے' اس میں کیا پڑھیں گے' تسبیحات کیا ہوں گی' رکوع وسجود کیا ہے' رکعتیں کتنی ہیں' یہ سب تعلیمات نبوت ہیں۔ یہ ساری چیزیں زبانی ہوتی ہیں' کلام میں ہوتی ہیں' لکھی جاتی ہیں' پڑھی جاتی ہیں لیکن ایک بات اور ہوتی ہے اور وہ ہوتی ہے برکات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نبی علیہ السلام کے قلب اطہر میں جمال الٰہی کو دیکھنے کا اور اللہ کے قرب کی کیفیات کو محسوس کرنے کا جو کمال ہوتا ہے وہ برکات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بات تب بنتی ہے جب تعلیمات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوں اور برکات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوں' تعلیمات پر عمل کرے اور دل میں برکات ہوں تو جو سجدہ وہ کرتا ہے وہ اور ہی سجدہ ہوتا ہے!

ماخوذ از ''اکرم التفاسیر'' جلد دوئم

Q: 34 Is the flow of Lights interrupted if the eyes are opened for a couple of seconds during Zikr?

A: 34 It is not the opening or closing of eyes, but the focussing of attention that is important. An open eye looks around and thus disrupts the attention. There is no harm if the eyes get opened unintentionally like a wink, but if that causes distraction, one should be careful.

Q: 35 What is the reason that even after the illumination of the Lata'if and performing Salah, Tasbeehat and Zikr for forty years, a Sufi doesn't understand Sufic expressions and cannot comprehend their meanings?

A: 35 It is not possible to learn Tasawwuf without knowledge. If he doesn't possess knowledge, he may walk the Path with the help of a religious scholar. Illumination of the Lata'if does bring piety in conduct, but it is necessary to formally learn the phrases and their meanings. There may be one Sufi out of millions, blessed with 'Ilm-e Ladunni (Knowledge from Divine Presence), who may understand the expressions and comprehend their meanings without formal learning.

Q: 36 Are high spiritual stations a prerequisite for accessing the Court of the Holy Prophet-SAWS or can a person with lower spiritual stations also seek access?

A: 36 When a seeker is blessed with nearness, his/her spiritual stations are also elevated. It is just like asking, 'is good health necessary for wrestling?' It is but obvious that only a healthy person will wrestle; how can a sick person undertake this activity? If the spiritual stations of a seeker, who has attained access to the Court of the Holy Prophet-SAWS are not high, whose spiritual stations will then be high? To be in the audience of the Holy Prophet-SAWS is the root cause of being raised in spiritual stations. However it is not necessary that a seeker will automatically attain to higher spiritual stations. His spiritual progress will take place in the normal manner. Yes, the spiritual capacity of such people is definitely enhanced. If another seeker requires Tawajjuh of a whole year to attain to a particular station, such a person may require only a single Tawajjuh to reach that station; however the spiritual path will be traversed according to the normal procedure. Those, who receive spiritual education directly in the Court of the Holy Prophet-SAWS, are very rare, one in a century or probably one in a millennium. Such people serve as the building blocks of great revolutions. This is a unique honour, known only to those who are blessed with it. In any case, Deen denotes the relationship of an adherent (follower) with the Holy Prophet Muhammad-SAWS. His capacity to obey the Holy Prophet-SAWS will depend on the purity and sincerity of this relationship. The three tributaries of obedience, respect and trust, keep saturating the Qalb of a believer and lead to his spiritual growth. May Allah Kareem grant this to everyone!

Q: 37 It was observed this evening that during the meditation of Spiritual Bai'at, you (spiritually) stood up from your chair, stood in front of the Holy Prophet-SAWS and presented the Ahbab for Spiritual Bai'at. This doesn't happen normally.

A: 37 It is not necessary to stand up during normal attendance, but there is a great difference between normal attendance and the presentation of Ahbab for Spiritual Bai'at. For this, one has to appropriately present one's self before the Holy Prophet-SAWS.

ceed unless he devotes proper attention to the reformation of his heart. That is what I have understood by **Allah**'s grace. May **Allah** make it easy for us! Ameen!

Questions and Answers about Tasawwuf

Questions of Ahbab answered by

His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan

Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah

Q: 30 Can women be taught Zikr Allah?

A: 30 Just as women acquire knowledge from men, in all walks of life; they can similarly learn Allah's Zikr, while remaining within the limits of Shari'ah.

Q: 31 Can we conduct the Zikr of a non-Muslim?

A: 31 All human beings are Allah's creation. If a non-Muslim does Zikr, he gets blessed with Islam. You can only teach him the method, but cannot conduct his Zikr. He should do it alone. It is enough for him till he accepts Faith.

Q: 32 Does the person conducting Zikr have to keep in mind some special considerations while conducting the first Zikr of a beginner?

A: 32 No. Just teach him the method of Zikr, sit him beside you and start the Zikr. Allah Kareem knows, HE will take care of everything.

Q: 33 Hadhrat, what is difference between Tawajjuh and Ilqa and what is the technique of giving Tawajjuh?

A: 33 The technique of giving Tawajjuh is that the person who is conducting Zikr should think that the Divine lights are descending on his Qalb (first Latifah), are also going to the Quloob of those who are doing Zikr with him; this thought will divert the lights. Ilqa is the reflection and Tawajjuh is the thought that this reflection is taking place. If an Imam makes Niyyah (intention) of leading the Salah, then the Salah of all those who join him is accepted. However, if the same Imam starts offering his individual Salah, then the Salah of none of those who join him later will be accepted, because the Imam had not made the Niyyah in the first place. If he makes the Niyyah, the Salah of all those joining him will be accepted whether they are ten or a hundred thousand. Tawajjuh is akin to making this Niyyah, while Ilqa is the process of reflection caused by this Tawajjuh. As far the technique of giving Tawajjuh or Ilqa is concerned, you have only to think that you are conducting their Zikr. The connection of Lata'if with the Prophets[-as] is like that of your body with the four elements. A man appears to be made of muscles and skin, we see no clay in him, but he has actually been raised from clay, air, water and fire. Similarly, Allah Kareem has made each Prophet the symbol of a particular relationship and feeling. All these relationships converge at one centre, the Holy Prophet[-saws]! The lights coming on the first Latifah are of Prophet Adam[-as], descend from the first heaven and are yellow in colour. The lights coming on the second Latifah are from two Prophets, Prophet Nooh[-as] and Prophet Ibraheem[-as]. The lights coming on the third Latifah are from Prophet Musa[-as]. On the fourth Latifah the lights come from Prophet Isa[-as], descend from the fourth heaven and are deep yellow in colour. The lights coming on the fifth Latifah are of the Holy Prophet[-SAWS] and descend from the fifth heavens. On the sixth and seventh Lata'if descend the Divine lights. Their colour and state cannot be described; they are like lightening that flashes and disappears. When someone is conducting Zikr, he should think that the lights descending on his Lata'if are also going to the Lata'if of others; the Ilqa will start

amount of good advice can ever reform such a person. This deprivation, when accompanied by worldly affluence, has been graded as the greatest curse by the Quran. These townships, whose fables are included in the folk lore, similarly sailed to their ultimate perdition. A darkened heart cannot perceive. Although a person retains his outwardly human form, but inwardly, he turns more beastly than an animal. By **Allah**'s grace we are Muslims. Despite being delinquent, we still retain some honour and shame. But these human values are almost totally extinct in the non-Muslim societies. Their habits and relationships are not based on mutual human respect and consideration, but are driven by the animal instincts of selfishness, oppression, immodesty and the like. Apparently they are healthy, wealthy and strong people but their hearts are unclean. Like animals, they possess no sense of shame.

The Divine Book informs us that **Allah** never destroyed the earlier people before sending them guidance. **His** Messengers brought clear proofs to them but they refused to believe. **Allah**'s Book and words of the Prophets do not impress a heart that has lost its faculty of perception. How can that heart be affected by any other preaching, advice or book? Such people with ruined hearts do not remain trustworthy. Their loyalty keeps swaying between Faith and Kufr (disbelief), and they are blinded by the frenzy to satisfy their vain desires. Their hearts take to vice. Perversion of thought and practice completely shrouds their lives.

We know that the symptoms of physical diseases are similar throughout the world. No disease is restricted to a particular area but would definitely develop at every conducive place. AIDS is not restricted to UK or USA alone; if we don't protect ourselves, it can invade our society also. The diseases are not related to colour, area or religion. They have the same effect everywhere. Similarly, when the hearts are ruined, they produce the same spiritual maladies at every place. We feel secure by presuming that only those nations whose heats are ruined will ultimately face their consequences. That is not a correct concept. If we fear the spread of physical epidemics and apprehend similar disaster as in other countries, why don't we realise that this spiritual epidemic can also engulf us? The maladies of hearts can import the same disaster from other countries.

We have seen the effect of Tabligh (preaching) day and night. Although preaching is a religious obligation, whose importance cannot be undermined, but actually it is the vehicle to acquire the reformation of heart. If you keep preaching about food but don't give someone a morsel throughout life, what good is your preaching for? I feel greatly surprised about the religious scholars. They accept the importance of heart reformation in their books and lectures but out rightly deny it in their practical lives.

When the Tartars ransacked Baghdad, it was a seat of great religious learning. Every street resounded with religious discussions and meetings. Its libraries stocked the most valuable religious books. But despite all religious preaching what was the end result? The entire city along with its people, libraries and civilisation was completely destroyed. The whole Ummah still laments the destruction of its literary treasure. Why did all this happen? It happened because their hearts had been completely ruined. They rendered only lip service to religion, without absorbing its blessings in their hearts, least realising that it is the heart and not the tongue which generates effect.

The same principle has been recounted here. Earlier generations and civilisations were destroyed as a sequel to the ruination of their hearts. Human beings of today should also examine their own hearts. Are their hearts alive? A live heart would try to obey **Allah**; that is actually its food, without which it cannot survive. If it does not demand this food, then it would at least be unconscious or sick, if not totally dead. No one can really suc-

tions and scholars to dispatch their students to some Shaikh for spiritual enlightenment and self reformation.

Some people object to our method of Zikr. We uphold their objection and concede that our method may not be necessarily correct. They should however, not stop us from Zikr but tell us the correct method and the number of people reformed by their way. Otherwise, we would be justified to conclude that they are only trying to undermine the efforts of those who are serving this cause. Actually, **Allah** and **His** Prophet[SAW] have not forbidden any particular method of Zikr. There is only one restriction; the form of Zikr should not cross the bounds of Shari'ah. No one can adopt a method of Zikr which is evil or prejudices the rights of others or violates any injunction of the Shari'ah. All forms of Zikr which remain within these prescribed limits are permissible. You can perform Zikr sitting, standing, walking or reclining. When **Allah** has given the permission, how can anyone else impose any restrictions? The form and frequency of Salah (prayers), Zakat (poor due) and Hajj have been defined by the Shari'ah but no form has been prescribed for Zikr. The Divine Command enjoins the believers to perform Zikr continuously. It should be done at every moment and under all conditions, standing, sitting, reclining, sleeping and while awake. There is only one restriction. You cannot violate the limits defined by the holy Prophet[SAW].

We are neither authorised to compel others to adopt our method nor declare a particular form as wrong. Similarly, no body has the right to ask us to leave our method. It is not the method of Zikr which really matters, but the spiritual attention of the Shaikh received by the seekers during Zikr. That is the real blessing. Without this attention, continuous Zikr of a whole lifetime cannot illuminate even the first Latifah (subtlety) Qalb. It simply cannot happen by itself. If someone has the land, water for irrigation, fertilisers and cultivation equipment, he still cannot grow any crop unless he sows the seed. Without the seed, his efforts would bring no fruit. The spiritual attention is akin to this seed. Even with the best of efforts, no spiritual growth can even be imagined without this attention. Reformation of the soul is one of the duties of Prophethood. The Taba'in reformed themselves in the company of the Companions and the Tab'a Taba'in acquired it from them. Just as a person has to go to a scholar to acquire knowledge, one has to similarly remain in the company of an accomplished Shaikh and strive earnestly to acquire spiritual blessings.

Allah has mentioned that these people are not the first ones to inhabit the earth. Many generations have passed before them. Their predecessors also governed mighty empires and possessed huge property. Where have they all perished? If their forefathers could not perpetuate their existence, can these people live for ever? If they are following in the footsteps of their elders then have they prepared themselves for their onward journey? This single example is sufficient to teach a lesson. An infant spends his childhood in a family, becomes a father one day and ultimately a grandfather. His children know nothing about his grandparents, who had died much before the birth of his children. He doesn't realise that after a couple of generations no body will remember him. Only those, who are in his own lap, know him, but he would cease to exist in the memory of his grandchildren.

Allah has warned mankind that **He** can grasp them instantly, if **He** so desires. **Allah**'s grasp is always instant but people do not perceive. Apparently, the heavens do not fall and the earth is not torn asunder, but actually, an extremely important change takes place unnoticeably: hearts of the evil doers are sealed; they do not perceive and cannot differentiate between right and wrong. It is not necessary that the Divine wrath should descend in the form of a visible calamity, as for the previous generations. The sealing of hearts and the loss of sense of discrimination is an equally grave punishment, because no

REFORMATION OF THE HEART

Translated Speech of
His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan
Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah

The holy Quran invariably associates guidance with illumination and reformation of the heart. It always ascribes the delusion of previous nations to the gloom of their hearts and also indicates the factors that contribute towards this malady. Similarly, it attributes guidance to heart's reformation and also suggests the methods of its attainment. This point has not just been mentioned casually but this is the fundamental and focal point of all its teachings.

Different exercises are prescribed to keep each body organ healthy and fit. These exercises are practically taught in special schools of physical education. The patients who cannot do any other exercise are advised to stroll in their rooms to keep their organs agile and active. But it is amazing that we devote whole attention to our bodies and do not care about the health of our hearts. On the other hand, this important point has been repeatedly stressed in the Quran and it forms the basis of salvation in the Hereafter. The Muslim masses in general and the religious scholars in particular, ignore this important aspect as if it would come automatically. In our practical lives we never expect anything to happen by itself. No body leaves his children at large, hoping that they would be automatically educated by the society. On the contrary, he spends a lot of time and money to select a good school for them and despite best efforts, always remains concerned about the standard of their education. If you want to learn any profession, you would certainly have to devote a lot of time and effort. To learn a simple profession like masonry, driving, tailoring or shoe making, you would have to look for an expert and get his instructions. No body has ever argued that he can learn it on his own because all these professions are already being practised in the society. Had that been a correct contention, we would have learned to stitch our clothes, make our shoes or construct our houses, all by ourselves. No body believes this theory in his practical life. When we don't expect even the smallest event to happen by itself, how can we ignore the most important task, which is the key to eternal bliss, and expect to acquire it without any effort.

The holy Prophet (Sall **Allah**-o Alaihi wa Sallam) has stated that there is a lump of flesh in the human body whose health reforms the entire body and its malady disturbs the whole physical balance. "Hearken", he said "that is the Qalb" (heart). It is a miracle of the Prophets that the heart of every believer who attends their august company, attains to the acme of human excellence in a single moment. Even then, we find many Companions who specifically requested the holy Prophet[SAW] to give special attention to their hearts for greater reformation. Some requested him to move his blessed hand over their chest. In the words of Quran, every cell of a Companion's body resonated with **Allah**'s Zikr. On their part, however, they didn't feel satisfied about their achievement and remained worried about their shortfalls. Once the holy Prophet[SAW] praised Hadhrat Abu Bakr Siddiq[RAU] and said, "He is not superior to you because he excels you in worship but because of what I have poured from my heart into his. No other heart can acquire what his heart has acquired from mine."

The indifference shown to this most important aspect is the malady of our modern times only. During the yesteryears even the common Muslims tried to require this blessing. If you read the biography of previous scholars, you would discover that each one of them without exception, after completing his education, remained in the company of some Shaikh for a definite period of time. It had been a regular practice of the religious institu